بانی ومہتمم :مفتی محمد رضا قادری نقشبندی مصباحی خلیفہ حضور شیخ العالم وسربراہ اعلیٰ علما کونسل نیپال بفیض روحانی : مجمع الفضائل والبرکات،مظہر کمالات امام ربانی حضور شیخ العالم مولانا شاہ احمد رضا نقشبندی دامت برکاتہم العالیہ قیادت :قائد ملت نیپال حضرت مولاناالحاج سید غلام حسین مظہری مرکزی صدر علما کونسل نیپال

Reg.No: 5310 -2082/2083

نیپال اردو ٹائمز
ہفت روزہ

Weekly The NEPAL URDU TIMES

جلد نمبر ۲ VOL:(2)

چیف ایڈیٹر: عبدالجبار علیمی نظامی
weeklynepalurdutimes@gamil.com

صفحات 15

۲۴/ ستمبر 2026 مطابق ۱۲/ ربیع الثانی 1448ھ ۸/ گتے اسوج 2083

شمارہ نمبر ۸ ISSUE(8)

شہداء کے خون سے لکھے آئین کو عمل سے مکمل کریں گے: وزیر اعظم بالین شاہ

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
کاٹھمانڈو

وزیر اعظم بالندر شاہ (بالین شاہ) نے اعلان کیا ہے کہ ملک کا آئین محض کاغذ کا ٹکڑا نہیں بلکہ ہزاروں شہداء کے خون سے لکھی گئی وہ مقدس دستاویز ہے جس کی حقیقی تکمیل صرف اور صرف مخلصانہ عملی اقدامات، قانون کی بالادستی اور کرپشن کے خاتمے سے ہی ممکن ہے۔ انہوں نے واضح کیا کہ ان کی حکومت آئین کی روح کے مطابق عوام کو مساوی انصاف فراہم کرنے اور ہر سطح پر امتیازی سلوک ختم کرنے کے لیے پوری طرح پرعزم ہے۔ یہ بات انہوں نے نیپال کے قومی یومِ آئین (۲۰۲۶) کے موقع پر آرمی پریڈ گراؤنڈ (ٹنڈی کھیل) میں

خصوصی اور پروقار تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کہی۔ سیاسی جماعتوں کو شکست دے کر دنیا کے سب سے کم عمر ترین ریاستی سربراہ کے طور پر اقتدار سنبھالا تھا، نے اپنے خطاب میں نظام کی اصلاح پر سخت زور دیا۔ ان کے خطاب کے کلیدی پہلو درج ذیل ہیں: وزیر اعظم کا کہنا تھا کہ آئین اپنے وعدے اسی وقت پورے کر سکتا ہے جب اسے نافذ کرنے والے ادارے اور افراد دیانتداری اور مستقل مزاجی سے کام کریں۔ گڈ گورننس (اچھا نظامِ حکومت) اور سماجی انصاف کو روزمرہ کے حصہ بنانا ہوگا، انہوں نے اعتراف کیا کہ ملک میں کرپشن اور احتساب سے استثنیٰ کی جڑیں گہری ہیں، لیکن اب ان برائیوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے والی قوتیں زیادہ مضبوط اور تعداد میں زیادہ ہیں۔ حکومت میرٹ کی بنیاد پر تقرریوں اور انتظامیہ میں سیاسی مداخلت کے خاتمے کی پالیسی پر کاربند ہے۔ انہوں نے کثیر الجماعتی جمہوریت، انسانی حقوق اور قانون کی حکمرانی کو نیپال کی قومی زندگی کی بنیاد قرار دیا۔ یومِ آئین کی مناسبت سے صدرِ نیپال رام چندر پاڈیل کی جانب سے صدارتی محل (شیتل نواس) میں بھی ایک اعلیٰ سطحی تقریب کا اہتمام کیا گیا جس میں وزیر اعظم بالندر شاہ نے خصوصی شرکت کی۔ اس تقریب میں ملکی قیادت، غیر ملکی سفارت کاروں اور آئینی عہدیداروں نے شرکت کی، جہاں صدر نے بھی جمہوریت کی مضبوطی اور سیاسی رواداری

آئینی ترمیم سے پہلے قومی نقطۂ نظر تشکیل دیا جائے: ماہر قانون و دستور بپن ادھیکاری۔

نیپال اردو ٹائمز
محمد رضوان احمد مصباحی

کاٹھمنڈو: آئینی ماہر اور قانون دان بپن ادھیکاری نے کہا ہے کہ نیپال میں آئینی ترمیم کی طرف بڑھنے سے قبل حکومت کو ماہرینِ دستور و قانون کی تجاویز، سیاسی جماعتوں کے مؤقف اور عوامی رائے کو یکجا کرکے ایک واضح قومی نقطۂ نظر تشکیل دینا چاہیے۔ ان کے مطابق موجودہ آئین پر عمل درآمد کے دوران سامنے آنے والی کمزوریوں کو دور کرنے کے ساتھ وفاقی اور صوبائی ڈھانچے میں بھی ضروری اصلاحات پر سنجیدہ بحث کی ضرورت ہے۔

سے گفتگو کرتے ہوئے بپن ادھیکاری نے کہا کہ آئینی ترمیم کا عمل محض پارلیمانی اکثریت کی بنیاد پر آگے بڑھانے کے بجائے وسیع تر قومی اتفاقِ رائے کی طرف لے جانا ضروری ہے۔

ان کے مطابق حکومت کی جانب سے آئینی ترمیم کے سلسلے میں قائم ٹاسک فورس نے اپنی رپورٹ وزیر اعظم کے دفتر کو پیش کر دی ہے، تاہم رپورٹ کے مندرجات اب تک عوام کے سامنے نہیں لائے گئے، جس سے آئندہ کے عمل کی سمت واضح نہیں ہو رہی۔

ٹاسک فورس کی رپورٹ منظر عام پر لانے پر زور: ادھیکاری نے کہا کہ رپورٹ کو عوامی کیا جائے تو یہ واضح ہو سکے گا کہ مختلف سیاسی جماعتوں کے درمیان کن امور پر اتفاق پایا جاتا ہے اور کن معاملات میں اختلاف ہے۔ اس کے بعد حکومت کے لیے آئینی ترمیم کے حوالے سے اپنی پوزیشن طے کرنا اور دیگر سیاسی قوتوں کے ساتھ بامعنی مذاکرات آگے بڑھانا آسان ہوگا۔

نہوں نے کہا کہ پارلیمنٹ میں آئینی ترمیم کا معاملہ پیش کرنے سے پہلے حکومت کے نقطۂ نظر سے ایک واضح قومی تصور سامنے آنا چاہیے۔ حکومت اگر اپنا مؤقف عوام کے سامنے رکھتی ہے تو میڈیا، علمی اداروں اور عام شہریوں کے درمیان اس پر وسیع بحث شروع ہو سکتی ہے، جس سے قومی سطح پر رائے سازی میں مدد ملے گی۔ آئین پر مکمل عمل درآمد بھی ضروری آئینی ماہر کے مطابق گزشتہ دس برسوں کے دوران آئین کے نفاذ کے سلسلے میں انتخابات اور بعض ضروری قوانین تو بنائے گئے، لیکن آئین کی روح کے مطابق مکمل اور مؤثر عمل درآمد کی مطلوبہ کوشش نہیں ہوئی۔

انہوں نے مثال دیتے ہوئے کہا کہ آئین کے بنیادی حقوق سے متعلق متعدد قوانین بنائے گئے، تاہم بعض قوانین کے معیار پر سوالات موجود ہیں، جبکہ کچھ ضروری قوانین اب بھی زیر التوا ہیں۔ ان کے مطابق آئین کی دفعہ ۵۶(۵) کے تحت خود مختار، خصوصی اور محفوظ علاقوں سے متعلق قانون بھی اب تک نہیں بن سکا۔

وفاق میں پارلیمانی نظام برقرار رکھنے کی تجویز: بپن ادھیکاری نے وفاقی سطح پر براہِ راست صدارتی طرز کے انتخابات کی تجویز سے اختلاف کرتے ہوئے کہا کہ نیپال جیسے متنوع ملک میں وفاقی سطح پر پارلیمانی نظام زیادہ موزوں ہے۔ ان کے مطابق ملک میں ۱۲۵ سے زائد ذاتیں اور برادریاں موجود ہیں، اس لیے وفاقی حکومت میں مختلف طبقات کی نمائندگی یقینی بنانا ضروری ہے۔

ان کا کہنا تھا کہ اگر وفاقی سطح پر محدود تعداد میں افراد ہی اقتدار میں آئیں تو ملک کی سماجی و قومی تنوع کی مناسب نمائندگی مشکل ہو سکتی ہے۔ تاہم انہوں نے صوبائی حکومتوں کے استحکام کے لیے براہِ راست انتخاب کے نظام پر بحث کی گنجائش ظاہر کی۔

صوبائی حکومتوں کے استحکام پر زور: ادھیکاری کے مطابق گزشتہ تقریباً دس برس کے تجربے میں پہلے صوبائی دور کی حکومتوں کے علاوہ زیادہ تر صوبائی حکومتیں مستحکم نہیں رہ سکیں۔ ان کے خیال میں صوبائی حکومتوں کی تبدیلی میں مقامی عوامی مینڈیٹ کے بجائے قومی سیاسی جماعتوں کی حکمتِ عملی اور وفاقی سطح کے سیاسی اتحاد زیادہ مؤثر رہے ہیں۔

انہوں نے تجویز دی کہ صوبائی سطح پر براہِ راست انتخاب کے ذریعے نسبتاً مستحکم حکومت کا نظام قائم کیا جا سکتا ہے، جس سے وفاقی حکومت کی جانب سے صوبائی معاملات میں سیاسی مداخلت کے امکانات بھی کم ہو سکتے ہیں۔ ترمیم سیاسی مفادات کے بجائے قومی ضرورت کی بنیاد پر ہو آئینی ماہر نے سیاسی جماعتوں کے موجودہ رویے پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ جماعتیں اکثر آئینی ترمیم کے معاملے میں اپنے اقتدار اور فوری سیاسی حالات کو سامنے رکھ کر موقف اختیار کرتی ہیں۔ ان کے مطابق آئین میں ترمیم سے قبل یہ طے کرنا ضروری ہے کہ ملک کو کن عملی مشکلات کا سامنا ہے، آئین کے کن حصوں میں اصلاح کی ضرورت ہے اور موجودہ نظام کو بہتر بنانے کے لیے کون کون سے متبادل موجود ہیں۔

انہوں نے زور دیا کہ ماہرین کی رائے کو نظر انداز کرکے قومی نقطۂ نظر تشکیل نہیں دیا جا سکتا۔ حکومت کو چاہیے کہ ماہرین، سیاسی جماعتوں، علمی اداروں اور عوامی سطح پر ہونے والی بحث کو ایک جامع عمل کا حصہ بنائے۔

ادھیکاری کے مطابق آئینی ترمیم ایک طویل المدت قومی معاملہ ہے، اس لیے حکومت کو پہلے اپنی واضح پوزیشن سامنے لانی چاہیے، پھر سیاسی جماعتوں اور دیگر متعلقہ فریقوں کے ساتھ وسیع تر مشاورت کے ذریعے آگے بڑھنا چاہیے۔

سعودی سفیر کی نائب صدر یادو سے ملاقات، دوطرفہ تعلقات اور تعاون بڑھانے پر تبادلہ خیال

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
کاٹھمانڈو

نائب صدر رام سہائے پرساد یادو سے نیپال میں تعینات سعودی عرب کے سفیر فہد بن محمد المنیخر نے کاٹھمانڈو میں اہم ملاقات کی، جس میں دونوں ممالک کے مابین دیرینہ سفارتی تعلقات، اقتصادی تعاون، سرمایہ کاری اور ہوائی مواصلات کو مزید مضبوط بنانے پر تفصیلی تبادلہ خیال کیا گیا۔ ملاقات کے دوران نائب صدر رام سہائے پرساد یادو نے نیپال اور سعودی عرب کے مابین اگست ۲۰۲۶ میں طے پانے والے دوطرفہ فضائی خدمات کے معاہدے کا خیر مقدم کیا۔ انہوں نے کہا کہ

اس اہم معاہدے سے نہ صرف دونوں ممالک کے درمیان فضائی روابط مزید مستحکم ہوں گے بلکہ سیاحت، تجارت اور باہمی سرمایہ کاری کے نئے راستے بھی کھلیں گے، نائب صدر نے سعودی عرب میں مقیم لاکھوں نیپالی کارکنوں کی فلاح و بہبود اور ان کے تحفظ کے لیے سعودی حکومت کی جانب سے کیے جانے والے اقدامات کو سراہا۔ اس کے علاوہ انہوں نے حج اور عمرہ کی ادائیگی کے لیے جانے والے نیپالی مسلم زائرین کو فراہم کی جانے والی بہترین سہولیات پر بھی سعودی حکومت کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا۔ ملاقات میں نیپال کے مختلف اہم شعبوں خصوصاً انفراسٹرکچر، انفارمیشن ٹیکنالوجی، توانائی (ہائیڈرو پاور)، سیاحت، مائننگ اور زراعت میں سعودی سرمایہ کاری بڑھانے کے امکانات پر بھی غور کیا گیا۔ نائب صدر یادو کا کہنا تھا کہ نیپال بیرونی سرمایہ کاری کے لیے ایک محفوظ اور بہترین ملک ہے اور سعودی سرمایہ کاروں کو یہاں ہر ممکن سہولیات فراہم کی جائیں گی۔ سعودی سفیر فہد بن محمد المنیخر نے نیپال میں حالیہ سیلاب اور قدرتی آفات کے نتیجے میں ہونے والے جانی و مالی نقصان پر سعودی حکومت اور عوام کی جانب سے گہرے دکھ اور تعزیت کا اظہار کیا۔ انہوں نے یقین دلایا کہ سعودی عرب بحالی اور تعمیرِ نو کے عمل سمیت دیگر ترقیاتی منصوبوں میں نیپال کے ساتھ اپنا تعاون اور امداد کا سلسلہ جاری رکھے گا۔

بھارت سے امریکہ تک ساتھ رہے گا جیو کا ۵ جی نیٹ ورک

- ٹی موبائل کے ساتھ دستیاب ہوگی سیم لیس رومنگ
- جیو اور ٹی۔ موبائل نے دنیا کی پہلی ۵ جی رومنگ کنیکٹویٹی کا دعوی کیا
- امریکہ پہنچنے پر بھی ۵ جی اسٹینڈ ایلون نیٹ ورک کا تجربہ

نیپال اردو ٹائمز

ممبئی، ۲۲ ستمبر، ۲۰۲۶۔ امریکہ جانے والے جیو کے صارفین کے لیے موبائل رومنگ کا تجربہ اب بدل اب جائے گا۔ ہندوستان سے امریکہ پہنچنے پر، جیو کے صارفین ٹی۔ موبائل کے ۵ جی اسٹینڈ ایلون نیٹ ورک پر رومنگ کر سکیں گے۔ اسی طرح، امریکہ سے ہندوستان جانے والے ٹی موبائل کے صارفین جیو کے ۵ جی اسٹینڈ ایلون نیٹ ورک کا استعمال کر سکیں گے۔ دونوں کمپنیوں کے مطابق، یہ دنیا میں رومنگ کے ذریعے دو ممالک کے ۵ جی اسٹینڈ ایلون نیٹ ورکس کو جوڑنے کا پہلا واقعہ ہے۔ آسان الفاظ میں، ممالک بدلنے کے بعد بھی صارفین نئے ۵ جی نیٹ ورک پر رومنگ سے مستفید ہوتے رہیں گے۔ یہ تیز رفتار، کم تاخیر اور زیادہ قابل اعتماد کنکشن فراہم کرے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ چاہے ویڈیو سٹریمنگ ہو، ٹریول ریلیز کا اشتراک ہو، یا آفس ایپس چلانا ہو، ہندوستان اور امریکہ میں ۵ جی کا تجربہ زیادہ ہموار ہوگا۔

فی الحال، یہ ۵ جی اسٹینڈ رومنگ کنکشن جیو اور ٹی ۔ موبائل کے نیٹ ورکس کے درمیان ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ہندوستان اور امریکہ کے درمیان سفر کرنے والی دونوں کمپنیوں کے صارفین کو اس کا براہ راست فائدہ ہوگا۔

ٹی۔ موبائل کے چیف نیٹ ورک آفیسر، انکور کپور نے کہا کہ یہاں تک کہ ایک ملک سے دوسرے ملک کا سفر کرتے ہوئے بھی، گاہک کا ۵ جی تجربہ بغیر کسی رکاوٹ کے رہے گا، چاہے وہ سٹریمنگ کر رہے ہوں، ٹریول ریلز کا اشتراک کر رہے ہوں، یا کاروباری ایپس چلا رہے ہوں۔ انہوں نے اسے اس ٹیکنالوجی کی ایک بڑی طاقت قرار دیا۔

جیو کے بین الاقوامی نیٹ ورک کے سربراہ، پارٹنر شپس اور سروسز مارک یارکوسکی نے کہا کہ یہ کامیابی صرف رومنگ تک محدود نہیں ہے۔ دونوں ۵ جی اسٹینڈ ایلون نیٹ ورک کا ساتھ آنے آگے صارفین اور کاروباروں کیلئے نئی خدمات کے ساتھ اے آئی پر مبنی خدمات کا راستہ بھی کھول سکتا ہے۔

اس رومنگ کنیکشن کو ممکن بنانے میں سینیورس (Syniverse) کے پلیٹ فارم کا اہم رول رہا ہے جس نے جیو اور ٹی موبائل کے نیٹ ورک کو محفوظ طریقے سے آپس میں جوڑنے میں مدد کی۔

اپر تریشولی: پن بجلی منصوبے میں اب بھی ۴۳۹ افراد لاپتہ، ۸۷۷ افراد کو بحفاظت بچایا گیا

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
کاٹھمانڈو

نیپال میں ۲۶ اگست کو آنے والے تباہ کن سیلاب سے متاثرہ زیر تعمیر ۲۱۶ میگاواٹ کے اپر تریشولی (۱) پن بجلی منصوبے میں اب بھی ۴۳۹ افراد سے رابطہ نہیں ہو سکا ہے۔ منصوبے کو فروغ دینے والی کمپنی نیپال واٹر اینڈ انرجی ڈیولپمنٹ کمپنی پرائیویٹ لمیٹڈ کے مطابق، اب تک ۸۷۷ افراد کو بحفاظت بچایا جا چکا ہے، جبکہ ۱۷۸ افراد سے رابطہ قائم ہو چکا ہے اور ۳۹ افراد کی لاشیں برآمد کی گئی ہیں۔ کمپنی کے مطابق سیلاب آنے کے وقت منصوبے کے مقام پر نیپالی کوریائی چینی، ہندوستانی اور دیگر ممالک کے شہریوں سمیت تقریباً ۱۴۳۳ افراد کام کر رہے تھے۔ ان میں فروغ کار کمپنی کے علاوہ

کنسلٹنٹ ٹریکٹاول اور زیڈ کنسلٹ انجینئرنگ خریداری اور تعمیر کا کام کر رہی کوریائی کمپنی دوسان، اس کے سول کام کے سب کنٹریکٹر پاور چائنا اور الیکٹرو مکینیکل کام سے وابستہ اینڈریٹز ہائیڈرو سمیت دیگر کمپنیوں کے ملازمین شامل تھے۔ کمپنی نے بتایا کہ کام کرنے والے نیپالی اور غیر ملکی شہریوں کی تلاش اور بچاؤ مہم مسلسل جاری ہے۔ اس کے لیے مختلف سرکاری اداروں سکیورٹی ایجنسیوں تکنیکی ماہرین بچاؤ ٹیموں اور متعلقہ فریقوں کے ساتھ تال میل اور تعاون کیا جا رہا ہے۔ کمپنی کی جانب سے تلاش اور بچاؤ مہم کے لیے ضروری تمام وسائل فراہم کیے گئے ہیں۔ کمپنی کے مطابق انتہائی دشوار گزار جغرافیائی صورتحال سیلاب سے ہوئی وسیع تباہی منصوبے کے مقام تک پہنچنے والی سڑک اور نقل وحمل کی مشکلات رہائش اور دیگر بنیادی سہولیات کی کمی زیر زمین ڈھانچوں میں موجود خطرات اور دوبارہ مٹی کے تودے گرنے کے خدشے جیسی مشکلات کے باوجود مشترکہ ٹیموں کی جانب سے تلاش اور بچاؤ مہم جاری ہے۔ کمپنی نے بچاؤ ٹیموں کو تمام ضروری وسائل فراہم کرنے کی بات کہی ہے۔

قاضی نیپال فاؤنڈیشن نے ہر ماہ مالی تعاون کرنے کا عزم مصمم کیا ہے، نیپال اردو ٹائمز ادارتی ٹیم اس کے لیے مذکورہ فاؤنڈیشن کا شکریہ ادا کرتی ہے اللہ اپنے امان میں رکھے

ہفت روزہ
نیپال اردو ٹائمز
Weekly The
NEPAL URDU TIMES
Reg.No: 5310 -2082/2083 - www.nepalurdutimes.com

نیپال کے یوم آئین پر ہندوستان کے وزیر خارجہ ایس جے شنکر نے مبارکباد

نمائندہ نیپال اردو ٹائمز احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
ہندوستان کے وزیر خارجہ ایس جے شنکر نے نیپال کے یوم آئین کے موقع پر مبارکباد پیش کی ہے۔ انہوں نے سوشل میڈیا پلیٹ فارم

کے ذریعے وزیر خارجہ ششیر کھنال کا ذکر کرتے ہوئے یوم آئین کے موقع پر مبارکباد دی۔ وزیر خارجہ جے شنکر نے لکھا نیپال کے اس اہم قومی دن کے موقع پر وزیر خارجہ ششیر کھنال حکومت نیپال اور تمام نیپالی عوام کو دلی مبارکباد اور نیک خواہشات۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ ہندوستان دونوں ممالک کے درمیان تعلقات کو مزید مضبوط بنانے کے لیے پر عزم ہے۔ جے شنکر نے کہا، ہم اپنی گہری اور دیرینہ دوستی کو مزید مستحکم کرنے کے لیے پر عزم ہیں۔ اپنے پیغام میں انہوں نے دونوں پڑوسی ممالک کے درمیان دوطرفہ تعلقات کو مزید مضبوط اور گہرا کرنے کے ہندوستان کے عزم کا اعادہ کیا۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ ہندوستان دونوں ممالک کے درمیان گہری اور پائیدار دوستی کو نئی بلندیوں تک لے جانے کے لیے پر عزم ہے۔

نیپال اور بھارت کے درمیان تجارت اور ٹرانزٹ تعاون مضبوط بنانے پر زور

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
کاٹھمانڈو

بھارت اور نیپال کے درمیان تجارت ٹرانزٹ اور غیر مجاز تجارت پر قابو پانے سے متعلق بین الحکومتی ذیلی کمیٹی کے اجلاس میں دونوں ممالک کے حکام نے دوطرفہ تجارت اور اقتصادی تعاون سے متعلق کئی اہم امور پر تبادلہ خیال کیا۔ نیپال کے محکمہ تجارت کے مطابق ۱۶ اور ۱۷ ستمبر کو نئی دہلی میں ہونے والے اجلاس کے دوران مارکیٹ تک رسائی تجارتی سہولت کاری کسٹمز تعاون مصنوعات کے معیار، حفظان صحت اور نباتاتی صحت ایس پی ایس سے متعلق اقدامات ادویہ سازی اور آیوش مصنوعات سے متعلق امور پر غور کیا گیا۔ اس کے علاوہ سرحدی بنیادی ڈھانچے رابطہ کاری اور ٹرانزٹ تجارت کے حوالے سے بھی تبادلہ خیال ہوا۔ بیان میں کہا گیا ہے کہ دونوں فریقوں نے ادارہ جاتی سطح پر مسلسل مذاکرات جاری رکھتے ہوئے دوطرفہ تجارت ٹرانزٹ رابطہ کاری اور اقتصادی تعاون کو مزید مضبوط بنانے کے عزم کا اعادہ کیا۔ محکمہ تجارت کے ایک عہدیدار نے کہا کہ اجلاس کا مقصد بھارت اور نیپال کے درمیان تجارتی سرگرمیوں کو آسان بنانا اور دونوں ممالک کے درمیان اقتصادی تعلقات کو مزید آگے بڑھانے کے لیے باہمی تعاون کو مضبوط کرنا تھا۔

نیپال: سیلاب کے بعد نواکوٹ میں ہیضے کا خطرہ بڑھا، ۷۷۰۰۰ لوگوں کو اورل ویکسین لگانے کا ہدف

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز

کاٹھمانڈو: حالیہ سیلاب کے بعد ہیضے کے پھیلنے کے خدشات کے بعد نیپال کے نواکوٹ ضلع میں ہیضے کی اورل ویکسینیشن مہم شروع کی گئی ہے۔ اس مہم کے تحت اب تک ۵۰ ہزار سے زیادہ لوگوں کو ویکسین دی جا چکی ہے۔ متاثرہ علاقوں میں ۷۷ ہزار سے زائد افراد کو ویکسین لگانے کا ہدف مقرر کیا گیا ہے۔ یہ مہم پبلک ہیلتھ آفس، نواکوٹ نے ایپیڈیمک اینڈ ڈیزیز کنٹرول ڈویژن کے تعاون سے شروع کی ہے۔ اس کا مقصد ۲۶ اگست کو بھوٹیکوشی سیلاب کے بعد پینے کے پانی اور صفائی ستھرائی کی صورتحال خراب ہونے کی وجہ سے ہیضے اور پانی سے پیدا ہونے والی دیگر بیماریوں کے پھیلاؤ کو روکنا ہے۔ پبلک ہیلتھ آفس کی چیف ڈاکٹر انجو کارکی نے کہا کہ ٹیکہ کاری کے ساتھ ساتھ پینے کے صاف پانی کا استعمال ذاتی حفظان صحت اور آس پاس کے ماحول کو صاف رکھنا بھی بہت ضروری ہے۔ سیلاب کی وجہ سے لوگوں کی ایک بڑی تعداد اپنے گھروں سے بے گھر ہو چکی ہے اور ہولڈنگ سینٹرز میں رہ رہے ہیں۔ ان جگہوں پر مناسب صفائی ستھرائی برقرار رکھنے کے چیلنج نے ہیضے کے خطرے کو مزید بڑھا دیا ہے۔ مقامی آبی ذرائع میں ای کولی پائے جانے سے پانی سے پیدا ہونے والی بیماریوں کے بارے میں خدشات پیدا ہوئے ہیں۔ سیلاب کے بعد ودور میونسپلٹی میں پانی کے حالیہ ٹیسٹ میں پانی کے ۱۵ میں سے ۵ مقامی نمونوں میں ای کولی انفیکشن پایا گیا۔ صورتحال کے پیش نظر شروع کی گئی ہنگامی ٹیکہ کاری مہم میں ایک سال سے زیادہ عمر کے تمام لوگوں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ صحت مراکز اور انعقاد مراکز پر ویکسین مفت دستیاب کرائی جا رہی ہیں۔ صحت کے عہدیداروں کے مطابق میونسپلٹیوں میں اب تک ۴۰،۲۹۱ لوگوں کو ویکسین دی جا چکی ہے۔

رسوا: حکومت کا غیر محفوظ بستیوں کو فوری محفوظ مقامات پر منتقل کرنے کا حکم

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز

کاٹھمانڈو نیپال حکومت نے شدید بارشوں، سیلاب اور لینڈ سلائیڈنگ کے خطرات کے پیشِ نظر ضلع راسوا کی تمام غیر محفوظ اور انتہائی حساس انسانی بستیوں کو فوری طور پر محفوظ مقامات پر منتقل کرنے کا حکم دے دیا ہے۔ حال ہی میں آنے والے تباہ کن سیلاب کے باعث ان علاقوں میں زمینیں دھنسنے اور مٹی کے تودے گرنے کے واقعات میں تشویشناک حد تک اضافہ ہوا ہے، جس کے بعد یہ فیصلہ شہریوں کی جان و مال کے تحفظ کے لیے کیا گیا ہے۔ وزارتِ داخلہ اور متعلقہ آفات مینجمنٹ اتھارٹی کے مطابق، اس منتقلی اور بحالی کے عمل کو شفاف اور تیز رفتار بنانے کے لیے جامع حکمتِ عملی تیار کی گئی ہے جس کے اہم نکات درج ذیل ہیں: اتر گایا دیہی میونسپلٹی سمیت دیگر شدید متاثرہ علاقوں کے بے گھر خاندانوں کو سردیاں شروع ہونے سے پہلے محفوظ چھت فراہم کرنے کے لیے سرکاری اور نجی اراضی حاصل کی جا رہی ہے۔ متاثرہ خاندانوں کو نئے مقامات پر مکانات کی تعمیر اور روزگار کی بحالی کے لیے افرادِ خانہ کی تعداد کے مطابق نقد مالی امداد اور دیگر ضروری سامان فراہم کیا جائے گا۔ وزارتِ لینڈ مینجمنٹ ایک نیا قانونی ڈھانچہ تیار کر رہی ہے تاکہ مستقبل میں دریاؤں کے کناروں اور پہاڑی ڈھلوانوں پر قائم خطرناک بستیوں کو مستقل بنیادوں پر قانون کے تحت منتقل کیا جا سکے۔ مقامی انتظامیہ کو ہدایات جاری کر دی گئی ہیں کہ وہ منتقلی کے عمل کے دوران بزرگوں، بچوں اور خواتین کی ضروریات کا خاص خیال رکھیں تاکہ کسی بھی قسم کے انسانی بحران سے بچا جا سکے۔ ماہرینِ ماحولیات کا کہنا ہے کہ راسوا کی تنگ اور ڈھلوان پہاڑی بستیوں پر یہ سیلاب دراصل موسمیاتی تبدیلیوں کا نتیجہ ہے۔ حکومت اس کیس کو اقوامِ متحدہ میں موسمیاتی نقصانات اور عالمی فنڈنگ کے حصول کے لیے ایک ٹھوس مثال کے طور پر پیش کرنے کا ارادہ رکھتی ہے تاکہ عالمی برادری کی مدد سے ان بستیوں کو زیادہ محفوظ اور ماحولیاتی اثرات سے محفوظ بنایا جا سکے

ترقی کا مطلب صرف سڑکیں اور پل نہیں، شہریوں کا محفوظ مستقبل ہے: صدر پوڈیل

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز

کاٹھمانڈو صدر رام چندر پوڈیل نے ترقی کے روایتی تصور کو یکسر مسترد کرتے ہوئے واضح کیا ہے کہ حقیقی ترقی صرف سڑکیں، پل اور مادی ڈھانچے کھڑے کرنے کا نام نہیں ہے، بلکہ یہ براہِ راست عوام کے محفوظ مستقبل اور ان کی سلامتی سے وابستہ ہے۔ انہوں نے یہ بات نیپال کے یومِ دستور کے موقع پر قوم سے خطاب کرتے ہوئے کہی۔ صدر کا یہ اہم ترین بیان ایک ایسے وقت میں سامنے آیا ہے جب نیپال شدید سیلاب، زمینی تودے گرنے اور ماحولیاتی تبدیلیوں کے باعث پیدا ہونے والی قدرتی آفات کی لپیٹ میں ہے۔ انہوں نے کہا کہ آفات نے ہمیں یہ سبق سکھایا ہے کہ جب تک شہریوں کی زندگیوں، روزگار اور ان کے کل کو تحفظ حاصل نہیں ہوتا، تب تک بلند و بالا عمارتوں اور سڑکوں کا جال بے معنی ہے۔ صدر پوڈیل نے اپنے خطاب میں اس بات پر زور دیا کہ بدلتے ہوئے ماحولیاتی چیلنجز کو مدنظر رکھتے ہوئے اب ہمیں ایک ایسے ترقیاتی ماڈل کی طرف بڑھنا ہوگا جو انسان دوست ہو، منصفانہ ہو اور فطرت کے اصولوں کے عین مطابق ہو۔ ان کا کہنا تھا کہ انفراسٹرکچر کی تعمیر کے دوران ماحول کو نقصان پہنچانے کے بجائے پائیدار ترقی کے اصولوں کو اپنایا جانا چاہیے۔ صدر رام چندر پوڈیل نے حکومت اور متعلقہ اداروں کو ہدایت جاری کرتے ہوئے کہا کہ حالیہ سیلاب سے تباہ ہونے والے انفراسٹرکچر کو دوبارہ بناتے وقت صرف سیمنٹ اور لوہے کے ڈھانچوں کی بحالی کافی نہیں ہے۔ انہوں نے جذباتی انداز میں کہا: جب ہم تباہ شدہ سڑکیں اور پل دوبارہ تعمیر کریں، تو ہمیں بے گھر اور متاثرہ خاندانوں کے ان خوابوں کو بھی دوبارہ زندہ کرنا ہوگا جو اس آفت میں بکھر چکے ہیں۔ ملک کے دستور کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے صدر پوڈیل کا کہنا تھا کہ نیپال کا آئین محض کاغذ پر لکھا ہوا کوئی مجموعہ نہیں، بلکہ یہ ملک کے تمام شہریوں کی امیدوں، حقوق اور خوابوں کا زندہ عکاس ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ طویل آمرانہ اور مرکزی طرزِ حکومت کے خاتمے کے بعد وفاقی نظام اس آئین کا ملک کو سب سے بڑا تحفہ ہے، جس کا مقصد اختیارات کو نچلی سطح تک منتقل کرنا اور عام آدمی کو بااختیار بنانا ہے۔

کوریائی سفیر پارک تائی ینگ کی وزیر مواصلات پرکاش جوالا سے

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
کاٹھمانڈو

نیپال میں متعین جنوبی کوریا کے سفیر پارک تائی ینگ نے نیپال کے وزیر برائے مادی انفراسٹرکچر اور ٹرانسپورٹ پرکاش جوالا سے سنگھ دربار میں واقع ان کے دفتر میں ایک اہم بشکریہ ملاقات کی ہے۔ اس موقع پر جنوبی کوریا کے ممتاز صنعت کاروں اور سرمایہ کاروں کا ایک اعلیٰ سطحی وفد بھی کوریائی سفیر کے ہمراہ تھا۔ ملاقات میں دونوں ممالک کے مابین دوطرفہ اقتصادی تعلقات کو نئی بلندیوں تک لے جانے اور بالخصوص مواصلاتی و مادی بنیادی ڈھانچے کے شعبے میں طویل المیعاد سرمایہ کاری پر تفصیلی مشاورت کی گئی۔ ملاقات کے دوران کوریائی سفیر پارک تائی ینگ نے واضح کیا کہ جنوبی کوریا نیپال کے ہائیڈرو پاور (پن بجلی) کے شعبے میں پہلے ہی نمایاں سرمایہ کاری کر رہا ہے، تاہم اب ان کی حکومت نیپال کے ٹرانسپورٹ سیکٹر میں بھی اپنی شراکت داری کو وسعت دینے کے لیے مکمل تیار ہے۔ انہوں نے نیپال میں جدید شاہراہوں اور ریلوے کے نیٹ ورک کو بہتر بنانے کے لیے کوریائی حکومت کی جانب سے تکنیکی اور مالی معاونت فراہم کرنے کا عزم ظاہر کیا۔ سفیر کا کہنا تھا کہ کوریائی
حکومت نیپال کی جانب سے کسی بھی ٹھوس پراجیکٹ کی تجویز پر گہرائی سے غور کرنے اور تفصیلی بات چیت کے لیے تیار ہے تاکہ ان منصوبوں کو عملی جامہ پہنایا جا سکے۔ کوریائی وفد نے یاد دلایا کہ ماضی میں بھی دونوں ممالک کے مابین انفراسٹرکچر کے شعبے میں کوریائی سرمایہ کاری کے حوالے سے تمام تیاریاں مکمل کر لی گئی تھیں،
لیکن نیپال میں اچانک حکومت کی تبدیلی کے باعث اس وقت حتمی معاہدے پر دستخط نہیں ہو سکے تھے۔ چونکہ نیپال اور جنوبی کوریا کے مابین سفارتی تعلقات کے قیام کو پچاس برس مکمل ہو رہے ہیں، اس لیے کوریائی حکومت اس تاریخی موقع کو نیپال میں بڑی سرمایہ کاری کے آغاز کے طور پر یادگار بنانا چاہتی ہے۔ وزیر مواصلات و بنیادی پرکاش جوالا نے کوریائی سفیر اور صنعت کاروں کے وفد کا شکریہ ادا کرتے ہوئے نیپال کی ترقی میں جنوبی کوریا کے دیرینہ کردار کو انتہائی سراہا۔ انہوں نے مختلف اوقات میں نیپالی انجینئرز کو جدید تربیتی پروگرامز فراہم کرنے پر بھی کوریائی حکومت کا شکریہ ادا کیا۔

کاٹھمانڈو: تریپوریشور میں مسافر بس میں خوفناک آگ، ڈرائیور شدید زخمی

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
کاٹھمانڈو

دارالحکومت کاٹھمانڈو کے گنجان آباد علاقے تریپوریشور چوک میں پیر کے روز ایک مسافر بس میں اچانک ہولناک آگ بھڑک اٹھی، جس کے نتیجے میں گاڑی مکمل طور پر جل کر خاکستر ہو گئی۔ واقعے کے وقت خوش قسمتی سے بس میں کوئی مسافر سوار نہیں تھا، تاہم بس کا ۲۵ سالہ ڈرائیور شدید طور پر جھلس گیا ہے جس کی حالت تشویشناک بتائی جاتی ہے۔ پولیس کی ابتدائی تحقیقات اور عینی شاہدین کے مطابق، یہ محض ایک حادثہ نہیں بلکہ مبینہ طور پر خودسوزی کی کوشش معلوم ہوتی ہے۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ آگ لگنے سے کچھ ہی دیر قبل بس ڈرائیور، جس کی شناخت کاورے کے رہائشی داوا لاما کے نام سے ہوئی ہے، کا ڈیوٹی پر موجود ٹریفک پولیس اہلکاروں کے ساتھ چالان (جرمانے) پر شدید جھگڑا ہوا تھا۔ سوشل میڈیا پر وائرل ہونے والی ایک ویڈیو میں ڈرائیور کو غصے میں یہ کہتے ہوئے سنا جا سکتا ہے کہ "میں مرنے کے لیے تیار ہوں لیکن جرمانہ ادا نہیں کروں گا"۔ اس تکرار کے فوراً بعد ڈرائیور نے بس کے اندر خود کو بند کر کے مبینہ طور پر آگ لگا لی۔ کیرتی پور برن ہسپتال کے ڈاکٹروں کے مطابق، جھلسنے کی وجہ سے ڈرائیور داوا لاما کا جسم ۹۰ فیصد سے زائد متاثر ہو چکا ہے اور اس کی جان بچنے کے امکانات انتہائی کم ہیں۔ ڈسٹرکٹ پولیس رینج کاٹھمنڈو کے چیف ایس ایس پی دلیپ گھمیرے نے میڈیا کو بتایا کہ پولیس نے واقعے کی ہر پہلو سے انکوائری شروع کر دی ہے۔

گورکھا جیپ حادثہ: معمر خاتون جاں بحق، ۷ افراد زخمی

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
کاٹھمانڈو

نیپال کے ضلع گورکھا میں واقع سیرانچوک رورل میونسپلٹی، ۲ تھالا جنگ میں اتوار کی صبح ایک جیپ حادثے کے نتیجے میں ایک ۸۱ سالہ خاتون جاں بحق اور ایک معصوم بچی سمیت ۷ افراد شدید زخمی ہو گئے۔ مقامی پولیس کے مطابق، یہ حادثہ اتوار کی صبح تقریباً ۱۰ بجے اس وقت پیش آیا جب مسافروں سے بھری ایک جیپ بھچھیک سے چترے پوکھری کی طرف جا رہی تھی۔ دورانِ سفر تھالا جنگ کے مقام پر اچانک جیپ کے بریک فیل ہو گئے، جس کے باعث گاڑی بے قابو ہو کر سڑک کے کنارے نالے میں جا گری اور ایک حفاظتی دیوار سے ٹکرا گئی حادثے کی اطلاع ملتے ہی مقامی پولیس نے فوری طور پر موقع پر پہنچ کر امدادی کارروائیوں کا آغاز کیا۔ گاڑی میں ڈرائیور سمیت کل ۹ افراد سوار تھے۔ حادثے میں شدید زخمی ہونے والی کاولے کی رہائشی ۸۱ سالہ لالا مایا گرونگ کو فوری طور پر قریبی اسپتال منتقل کیا گیا، تاہم دورانِ وہ دم توڑ گئی۔ پولیس حکام کا کہنا ہے کہ حادثے میں زخمی ہونے والے دیگر ۷ مسافروں کو فوری طور پر صوبائی اسپتال منتقل کر دیا گیا ہے جہاں ان کا علاج جاری ہے۔ گورکھا پولیس نے واقعے کا مقدمہ درج کر کے جیپ اور اس کے ڈرائیور کو حراست میں لے لیا ہے اور حادثے کی وجوہات کا تعین کرنے کے لیے باقاعدہ تفتیش شروع کر دی ہے۔

گیارہویں شریف کے موقع پر علماء فاؤنڈیشن بانکے نیپال کی جانب سے دلی مبارکباد

نیپال گنج، بانکے: نیپال اردو ٹائمز

گیارہویں شریف کے بابرکت اور روح پرور موقع پر علماء فاؤنڈیشن بانکے نیپال کی جانب سے تمام اہلِ سنت و جماعت، عاشقانِ رسول ﷺ اور محبانِ غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کو پُرخلوص دلی مبارکباد پیش کی گئی۔ اس موقع پر صدر علماء فاؤنڈیشن بانکے نیپال حضرت مولانا محمد نصیر الدین انصاری صاحب نے کہا کہ گیارہویں شریف ہمیں حضور غوثِ اعظم، شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی دینی، روحانی اور اصلاحی خدمات کو یاد کرنے اور ان کی تعلیمات پر عمل کرنے کا موقع فراہم کرتی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اپنی زندگی کو قرآن و سنت کی تعلیمات کے مطابق گزارنے اور نیکی و بھلائی کے کاموں کو فروغ دینے کی کوشش کریں۔ انچارج علماء فاؤنڈیشن بانکے نیپال مفتی محمد کہفُ الوریٰ مصباحی صاحب نے کہا کہ بزرگانِ دین کی تعلیمات میں اخلاص، تقویٰ، عبادت، خدمتِ خلق اور مسلمانوں کے درمیان محبت و بھائی چارے کا خصوصی درس ملتا ہے۔ گیارہویں شریف کے اس بابرکت موقع پر ہمیں اپنے اعمال کا جائزہ لیتے ہوئے دینی و اخلاقی اصلاح کی طرف توجہ دینی چاہیے۔ اس موقع پر رکن علماء فاؤنڈیشن بانکے نیپال قاری عبد القیوم صاحب اور نائب صدر علماء فاؤنڈیشن بانکے نیپال قاری عظمت علی صاحب نے بھی تمام مسلمانوں کو گیارہویں شریف کی دلی مبارکباد پیش کرتے ہوئے امتِ مسلمہ کے اتحاد، امن و سلامتی اور خوشحالی کے لیے خصوصی دعاؤں کی اپیل کی۔ جبکہ میڈیا انچارج علماء فاؤنڈیشن بانکے نیپال محمد توحید رضا نے کہا کہ گیارہویں شریف کے موقع پر ہمیں ایصالِ ثواب، صدقہ و خیرات، ذکر و درود شریف اور ضرورت مندوں کی مدد جیسے نیک اعمال کی طرف خصوصی توجہ دینی چاہیے، تاکہ اس بابرکت موقع کی برکتیں ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی میں بھی ظاہر ہوں۔ علماء فاؤنڈیشن بانکے نیپال کی جانب سے دعا کی گئی کہ اللہ تعالیٰ حضور غوثِ اعظم شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے صدقے و طفیل تمام مسلمانوں پر اپنی رحمتیں و برکتیں نازل فرمائے، امتِ مسلمہ میں اتحاد و اتفاق قائم فرمائے، ملک و ملت میں امن و سلامتی عطا فرمائے اور تمام جائز حاجات کو پورا فرمائے۔ آخر میں علماء فاؤنڈیشن بانکے نیپال کی پوری ٹیم کی جانب سے تمام اہلِ سنت و جماعت کو ایک مرتبہ پھر گیارہویں شریف کی دلی مبارکباد پیش کی گئی۔
پیش کردہ: علماء فاؤنڈیشن نیپال برانچ بانکے

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

ہفت روزہ
نیپال اردو ٹائمز
Weekly The
NEPAL URDU TIMES
Reg.No: 5310 -2082/2083 - www.nepalurdutimes.com

۲۴/ستمبر 2026 مطابق ۱۲/ربیع الثانی 1448ھ ۸/گتے اسوج 2083

ہمالیہ کے گلیشیئرز پگھلنے سے نیپال میں بڑی تباہی، اقوام متحدہ کا سنگین

احمد رضا ابن عبد القادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
کاٹھمانڈو

اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل انتونیو گوتریس نے دنیا کو خبر دار کیا ہے کہ نیپال اور ہمالیہ کے خطے میں موسمیاتی تبدیلیوں کے اثرات اب محض مفروضے نہیں رہے بلکہ خوفناک حقائق بن کر سامنے آ رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے ایک حالیہ بیان میں زور دے کر کہا، "پہلے کہا جاتا تھا کہ نیپال سے دنیا کی چھت گر رہی ہے، لیکن اب اس کے عملی واقعات اور مناظر دنیا کے سامنے آنے لگے ہیں۔ سیکرٹری جنرل کا یہ انتباہ ایک ایسے وقت میں سامنے آیا ہے جب ہمالیہ کا خطہ تاریخ کے بدترین موسمیاتی بحران سے گزر رہا ہے۔ حالیہ مہینوں میں نیپال اور اس کے گردونواح میں رونما ہونے والے واقعات نے عالمی ماہرین کو تشویش میں مبتلا کر دیا ہے: ہمالیہ کے بلند ترین مقامات پر برف، چلاک چٹانوں اور مٹی کے بڑے تودے گرنے کے واقعات میں تیزی آئی ہے۔ اس کی وجہ سے بھوٹے کوشی اور تریشولی دریا کے نظاموں میں اچانک طوفانی سیلاب آئے، جس سے بڑے پیمانے پر جانی ومالی نقصان ہوا ہے۔ گلیشیئرز کے تیزی سے پگھلنے کی وجہ سے نیپال کے پہاڑی علاقوں، خاص طور پر ضلع رسوا میں نئی گلیشیئر جھیلیں بن رہی ہیں، جن میں لاکھوں مکعب میٹر پانی جمع ہو چکا ہے۔ ان جھیلوں کے پھٹنے کا خطرہ منڈلا رہا ہے جو نچلے علاقوں کے لیے تباہ کن ثابت ہو سکتا ہے۔ اقوام متحدہ کے مطابق، نیپال جیسے ترقی پذیر ممالک عالمی کاربن کے اخراج میں نہ ہونے کے برابر حصہ ڈالتے ہیں، لیکن موسمیاتی تبدیلیوں کا سب سے پہلا اور شدید شکار بن رہے ہیں۔ سیکرٹری جنرل انتونیو گوتریس نے دنیا کے بڑے صنعتی ممالک پر زور دیا ہے کہ وہ کاربن کے اخراج میں فوری اور مؤثر کمی کریں اور نیپال جیسے متاثرہ ممالک کو ماحولیاتی نقصان سے نمٹنے کے لیے مالی و تکنیکی امداد فراہم کریں۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر اب بھی ہنگامی اقدامات نہ کیے گئے تو ہمالیہ کے گلیشیئرز کا خاتمہ پوری دنیا کے ماحولیاتی نظام کو تباہ کر دے گا۔

قطر کی حوثیوں کے سعودی عرب پر حملوں کی شدید مذمت

دوحہ: (ایجنسیاں) قطر نے سعودی عرب پر حوثیوں کے میزائل حملوں کی شدید مذمت کرتے ہوئے اسے سعودی خودمختاری اور بین الاقوامی قوانین کی کھلی خلاف ورزی قرار دیا ہے۔ قطر کی وزارت خارجہ نے ایک بیان میں کہا کہ حوثیوں کی جانب سے ریاض کی طرف بیلسٹک میزائل داغنے کے ساتھ بشہ۔ طائف۔ فرسان اور ینبع میں شہری آبادی اور اہم شہری تنصیبات کو نشانہ بنانے کی کوشش کی گئی۔ وزارت خارجہ نے ان حملوں کو سعودی عرب کی خودمختاری کی "کھلی خلاف ورزی" اور بین الاقوامی قانون کی واضح پامالی قرار دیا۔ قطر نے سعودی عرب کے ساتھ مکمل یکجہتی کا اظہار کرتے ہوئے قومی سلامتی اور مفادات کے تحفظ کے لیے سعودی حکومت کی جانب سے کیے جانے والے تمام جائز اقدامات کی حمایت کا اعلان کیا۔ قطری وزارت خارجہ نے کہا کہ قطر شہریوں اور شہری تنصیبات پر حملوں کو سختی سے مسترد کرتا ہے اور ان غیر ذمہ دارانہ کارروائیوں کو فوری طور پر روکنے کی ضرورت پر زور دیتا ہے۔

دوسری جانب خطے میں بڑھتی ہوئی کشیدگی کے پیش نظر امریکہ نے ہفتے کے روز اپنے شہریوں کو مغربی ایشیا کے سفر پر نظر ثانی کرنے کی ہدایت کی ہے۔ امریکی محکمہ خارجہ نے ممکنہ تیز رفتار کشیدگی۔ پروازوں میں خلل اور امریکی مفادات کو نشانہ بنائے جانے کے خدشے سے خبر دار کیا ہے۔ امریکی محکمہ خارجہ کی عالمی سطح پر جاری کردہ سفری ہدایت میں مغربی ایشیا میں موجود امریکی شہریوں کو زیادہ محتاط رہنے کا مشورہ دیا گیا ہے۔ انہیں ممکنہ پروازوں کی منسوخی۔ فضائی حدود کی بندش اور دیگر سفری رکاوٹوں کے لیے تیار رہنے کو کہا گیا ہے۔ امریکی محکمہ خارجہ نے خبر دار کیا کہ ایران اور اس کی حمایت کرنے والے گروہ بیرون ملک امریکی مفادات۔ کاروباری اداروں اور اداروں کو نشانہ بنا سکتے ہیں۔ محکمہ خارجہ نے کہا کہ مشرق وسطیٰ میں کشیدگی کے باعث سکیورٹی کی صورتحال پیچیدہ ہے اور اس میں غیر متوقع طور پر اضافہ ہو سکتا ہے۔ سعودی عرب کے حوالے سے امریکی محکمہ خارجہ نے سفر سے متعلق لیول ۳ کی ہدایت برقرار رکھی ہے جس میں امریکی شہریوں کو سفر پر نظر ثانی کرنے کا مشورہ دیا گیا ہے۔ اس کی وجوہات میں ایرانی ڈرون اور میزائل حملوں کا خطرہ۔ مسلح تنازع۔ دہشت گردی۔ ملک سے باہر جانے پر پابندی اور سوشل میڈیا سے متعلق مقامی قوانین شامل ہیں۔ امریکی محکمہ خارجہ کے مطابق ایرانی میزائل اور

ڈرون ماضی میں سعودی عرب کے شہروں۔ بنیادی ڈھانچے۔ ہوائی اڈوں۔ فوجی اڈوں۔ سفارتی تنصیبات اور توانائی کے مراکز کو نشانہ بنا چکے ہیں۔ محکمہ خارجہ نے خبر دار کیا کہ روکے گئے میزائلوں اور ڈرونز کا ملبہ بھی خطرہ پیدا کر سکتا ہے۔ سعودی عرب میں امریکی سرکاری ملازمین کے لیے مزید پابندیاں بھی عائد ہیں۔ انہیں یمن کی سرحد سے ۲۰ میل کے اندر سفر کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ جبکہ جازان۔ عسیر۔ نجران اور قطیف کے سفر کے لیے خصوصی اجازت ضروری ہے۔ تاہم سعودی عرب سے تجارتی پروازیں شدید رکاوٹوں کے باوجود جاری ہیں۔ یمن کے لیے امریکی محکمہ خارجہ نے لیول ۴ یعنی "سفر نہ کریں" کی ہدایت برقرار رکھی ہے۔ اس کی وجوہات میں دہشت گردی۔ مسلح تنازع۔ اغوا۔ بدامنی اور دیگر سکیورٹی خطرات شامل ہیں۔

اس صورتحال کے بعد مغربی ایشیا میں امریکی سفارتی مشنز کے لیے بھی سکیورٹی الرٹ جاری کیا گیا ہے۔ امریکہ نے عراق۔ بحرین۔ عمان۔ سعودی عرب۔ ایران۔ قطر۔ لبنان۔ کویت اور اردن میں موجود امریکی شہریوں کو محتاط رہنے کی ہدایت کی ہے۔ امریکی محکمہ خارجہ نے کہا کہ ایران کی حمایت یافتہ حوثی تحریک سعودی عرب کے خلاف کارروائیوں میں ملوث رہی ہے جن میں شہری ہوائی اڈوں کو بھی نشانہ بنایا گیا ہے۔ بیان میں خبر دار کیا گیا کہ یہ فوجی تنازع تیزی سے بڑھ سکتا ہے۔ خطے میں سفر کرنے والے امریکی شہریوں کو ہوائی اڈوں اور ایئر لائنز کی سرگرمیوں سے متعلق معلومات پر نظر رکھنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ الجزیرہ کے مطابق سعودی عرب کی قیادت میں اتحاد نے بتایا کہ حوثیوں نے ہفتے کی صبح ریاض کی جانب بیلسٹک میزائل داغا جسے روک کر تباہ کر دیا گیا۔ اتحادی افواج کے ترجمان میجر جنرل ترکی المالکی نے کہا کہ حوثیوں نے بشہ۔ طائف۔ فرسان اور ینبع میں شہریوں اور شہری تنصیبات کو بھی نشانہ بنانے کی کوشش کی۔ سعودی عرب نے جمعہ کی رات ملک بھر میں ہنگامی الرٹ جاری کرتے ہوئے "دشمن کی جانب سے فضائی خطرے" سے خبر دار کیا۔ الجزیرہ کے مطابق ہفتے کے روز ریاض میں کم از کم ایک دھماکے کی آواز سنی گئی۔ ہوائی اڈے کے قریب رہنے والے افراد نے سیاہ دھوئیں کا ایک بڑا بادل بھی دیکھا۔ تاہم سعودی حکام نے کسی جانی نقصان یا نقصان کی اطلاع نہیں دی۔ الجزیرہ کے مطابق جولائی میں سعودی حمایت یافتہ فورسز اور حوثیوں کے درمیان لڑائی میں شدت آنے کے بعد ریاض میں یہ پہلا فضائی حملے کا الرٹ تھا۔ خطے میں بڑھتے ہوئے سکیورٹی خطرات کے درمیان امریکی محکمہ خارجہ نے اسرائیل کے لیے بھی لیول ۳ یعنی سفر پر نظر ثانی کی ہدایت برقرار رکھی ہے۔ امریکہ نے خبر دار کیا ہے کہ ایران اور اس کی حمایت کرنے والے گروہوں کی جانب سے امریکی سفارتی تنصیبات اور امریکی مفادات کو مشرق وسطیٰ کے علاوہ دیگر مقامات پر بھی خطرات لاحق ہو سکتے ہیں۔

ایران کا آبنائے ہرمز کے قریب جاسوسی ڈرون مار گرانے کا دعویٰ

ریاض: (ایجنسیاں) ایران نے آبنائے ہرمز کے اوپر ایک جاسوسی ڈرون کو مار گرانے کا دعویٰ کیا ہے۔ یہ واقعہ ایسے وقت پیش آیا ہے جب واشنگٹن اور تہران کے درمیان کشیدگی مسلسل بڑھ رہی ہے اور دونوں جانب سے سخت بیانات سامنے آ رہے ہیں۔ ایرانی فوج کے مطابق اتوار کی شام مقامی وقت کے مطابق تقریباً ساڑھے چھ بجے "اوربیٹر" طرز کے ایک جاسوسی ڈرون کو آبنائے ہرمز کے اوپر مقامی فضائی دفاعی نظام کے ذریعے نشانہ بنایا گیا۔ ایرانی سرکاری خبر رساں ایجنسی ارنا نے فوج کے حوالے سے بتایا کہ ڈرون کو ملک کے جنوب مشرقی علاقے میں گرایا گیا۔ ڈرون مار گرائے جانے کا اعلان ایک ایسے مرحلے میں کیا گیا ہے جب ایران کو خدشہ ہے کہ امریکہ اس کے خلاف دوبارہ فوجی کارروائی شروع کر سکتا ہے۔ ایرانی مسلح افواج کی مشترکہ کمان نے اس سے قبل دعویٰ کیا تھا کہ اسے ایسی اطلاعات موصول ہوئی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ واشنگٹن نئی فوجی کارروائی کی تیاری کر رہا ہے۔ ایرانی کمان نے خبر دار کیا کہ اگر امریکہ نے حملہ کیا تو ایران امریکی فوجی اڈوں اور مفادات کو مسلسل نشانہ بنائے گا۔ اسی دوران ایرانی پارلیمنٹ کے اسپیکر محمد باقر قالیباف نے کہا کہ تہران نے ثالثوں کے ذریعے آبنائے ہرمز دوبارہ کھولنے سے متعلق اپنی شرائط امریکی فریق تک پہنچا دی ہیں۔ ان کے مطابق جب تک ایران کے مطالبات اور حقوق کو تسلیم نہیں کیا جاتا اور امریکی جانب سے کیے گئے وعدوں پر عمل نہیں ہوتا، اس وقت تک آبنائے ہرمز کو دوبارہ کھولنے یا سابقہ مذاکراتی صورتحال بحال کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

پاسداران انقلاب کا امریکہ کے ساتھ طویل جنگ کیلئے تیار ہونے کا اعلان

نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
سید ظہیر احمد فنا

۳ شہری بھی جاں بحق ہوئے، تین ماہ کے نسبتاً پرسکون دورانیے کے بعد دونوں پڑوسی ممالک میں پھر کشیدگی، افغان حکومت نے جوابی کارروائی کا انتباہ دیا۔ وزارت اطلاعات نے افغانستان پر پاکستان میں حملے کرنے والے گروپوں کو پناہ دینے اوران کی حمایت کرنے کا الزام بھی لگایا ہے۔

شمال مغربی پاکستان میں پولیس اور سیکیورٹی فورسز پر حملوں میں پولیس اور سیکیورٹی فورسز کو نشانہ بنانے والے عسکریت پسندوں کے حملوں میں حالیہ برسوں کے دوران نمایاں اضافہ ہوا ہے۔ طالبان کے نائب ترجمان حمد اللہ فطرت نے بتایا کہ صوبہ کنڑ کے ضلع ننگرہار کے ضلع نکڑ کے گاؤں میں ایک دیہاتی کا گھر تباہ ہو گیا جس میں احمد اور ان کے خاندان کے دو افراد ہلاک جبکہ چار رشتہ دار زخمی ہو گئے۔ پاکستانی فوج نے فوری طور پر ان حملوں کے حوالے سے کوئی بیان جاری نہیں کیا ہے۔ افغان حکومت کے ترجمان ذبیح اللہ مجاہد نے ایک بیان میں ان فضائی حملوں کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ "ہم اس جارحیت اور ظلم کی مذمت کرتے ہیں اور اسے ایسے جرائم کے دوبارہ ارتکاب کے طور پر دیکھتے ہیں"۔ پاکستان کی وزارت اطلاعات نے مؤقف اختیار کیا تھا کہ ملک میں ہونے والے حملوں کے جواب میں افغانستان کی سرزمین پر عسکریت پسندوں کو نشانہ بنایا جا سکتا ہے۔

اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں شرکت ہمارا حق ہے: ایران

تہران: (ایجنسیاں) ایرانی وزارت خارجہ کے ترجمان اسماعیل بقائی نے کہا ہے کہ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کرنا ایران کا حق ہے۔ ان کا بیان امریکہ کی جانب سے ایرانی وفد کو نیویارک کے دورے کے لیے ویزے جاری کیے جانے کے بعد سامنے آیا ہے۔ الجزیرہ نے ایرانی طلبہ خبر ایجنسی کے حوالے سے بتایا کہ اسماعیل بقائی نے کہا کہ ایرانی سفارت کاروں کے لیے نیویارک کا سفر کوئی خاص کشش نہیں رکھتا، تاہم اقوام متحدہ ایک ایسا عالمی فورم ہے جسے ایران کو چھوڑنا نہیں چاہیے۔ بقائی کے مطابق اقوام متحدہ کے اجلاس میں شرکت ایران کا حق ہے اور وہاں ایرانی قوم کے مؤقف کو واضح انداز میں پیش کیا جائے گا۔ ایرانی ترجمان نے کہا کہ نیویارک کا دورہ اس انداز میں ہونا چاہیے کہ اسے ایران کی کمزوری کی علامت نہ سمجھا جائے۔ ان کے مطابق ایرانی وفد کی شرکت سے ایران کی حقیقی طاقت اور خودمختاری کا اظہار ہونا چاہیے۔ امریکہ نے اس سے قبل ایرانی وفد کو آئندہ ہفتے نیویارک میں ہونے والی اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کے لیے ویزے جاری کرنے کی تصدیق کی تھی۔

پاسداران انقلاب کا امریکہ کے ساتھ طویل جنگ کیلئے تیار ہونے کا اعلان

نمائندہ نیپال اردو ٹائمز سید ظہیر احمد فنا: ترجمان حسین مجھی کے مطابق جنگ میں اب تک کئی محاذوں پر امریکہ کو شکست کا سامنا کرنا پڑا ہے اہم خبریں اور نکات: پاسداران انقلاب کی وارننگ: اسلامی انقلابی گارڈ کور (آئی آر جی سی) نے اعلان کیا ہے کہ اس نے امریکہ کے ساتھ طویل مدتی جنگ کیلئے خود کو تیار کر لیا ہے، اور اب دو پہلے کے مقابلے میں زیادہ تیار ہے۔ امریکی شکست کا دعویٰ: ترجمان حسین مجھی نے کہا کہ امریکہ کو تاریخی اور شرمناک شکست کا ذکر کرتے ہوئے دعویٰ کیا کہ واشنگٹن کو کئی محاذوں پر اسٹریٹجک ناکامی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ آبنائے ہرمز کی اہمیت: مجھی نے مزید کہا کہ تہران افریقہ اور ماہ سے جاری تنازع کو طویل عرصے تک جاری رکھنے کے لیے تیار ہے۔ قطری وزیر توانائی کا بیان: قطری وزیر مملکت برائے توانائی اور قطر انرجی کے چیف ایگزیکٹو سعد الکعبی نے ایک بیان میں کہا ہے کہ آبنائے ہرمز صرف تیل اور گیس تک محدود نہیں، بلکہ یہ خلیج کے متعدد ممالک کے لیے تجارت کی ایک اہم گزرگاہ بھی ہے۔ بحری جہاز کو نشانہ بنایا جانا: لندن (ایجنسی) کے مطابق امریکی ذہین دھیانوں کے باوجود آبنائے ہرمز میں بحری نقل و حرکت کے دوران برطانوی میری ٹائم اتھارٹی نے اعلان کیا ہے کہ ایک بحری جہاز کو اس اہم آبنائے سے گزرتے وقت حملے کا نشانہ بنایا گیا۔

غزہ میں نسل کشی کا سلسلہ جاری شہید فلسطینیوں کی تعداد ۷۴ ہزار ہو گئی

غزہ: (نیوز ایجنسی) غزہ میں اسرائیلی فورسز کی جانب سے نسل کشی کا سلسلہ تاحال جاری ہے اور جنگ کے نتیجے میں شہید فلسطینیوں کی تعداد تقریباً ۷۴ ہزار تک پہنچ گئی ہے۔ غیر ملکی میڈیا رپورٹس کے مطابق ایک سال سے جاری اسرائیلی حملوں میں زخمی فلسطینیوں کی تعداد ایک لاکھ ۷۵ ہزار کے قریب پہنچ چکی ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ خدشات ہیں کہ جاری حملے میں شہید فلسطینیوں کی حتمی گنتی مکمل ہونے پر یہ تعداد ایک لاکھ سے تجاوز کر جائے گی

نیتن یاہو سمیت سینکڑوں اسرائیلی مسجد اقصیٰ کے صحن میں داخل

تل ابیب: (ایجنسیاں) مقبوضہ مشرقی القدس میں ۵۷۰ اسرائیلی آبادکار وزیر اعظم نیتن یاہو سمیت اسرائیلی فوج کی سخت حفاظت میں مسجد اقصیٰ کے صحن میں داخل ہو گئے اور تلمودی مذہبی رسومات ادا کیں۔ عرب میڈیا کے مطابق فلسطینی گورنریٹ القدس نے بتایا ہے کہ اسرائیلی وزیر اعظم نیتن یاہو، متعدد وزراء اور سینکڑوں اسرائیلی بھی فوج کی سخت سیکیورٹی میں دیوار براق کے احاطے میں داخل ہوئے۔ حماس نے نیتن یاہو کی مسجدِ اقصیٰ کے نیچے سرنگوں اور کھدائی کے مقامات اور دیوار براق کے دورے کی شدید مذمت کرتے ہوئے اسے مقدس مقام کی شناخت اور حیثیت پر کھلا حملہ قرار دیا ہے۔ حماس نے اپنے رد عمل میں کہا ہے کہ مسجدِ اقصیٰ اپنے صحنوں، نماز گاہوں، دیواروں اور دروازوں سمیت مکمل طور پر مسجد رہے گی اور اسے تبدیل کرنے کی کوششیں کامیاب نہیں ہوں گی۔ عرب میڈیا کے مطابق یہ واقعہ یہودی مذہبی تہوار یوم کپور کے آغاز سے ایک روز قبل پیش آیا ہے جو آج رات شروع ہو کر پیر کی رات تک جاری رہے گا۔

یوکرین کے ڈرون حملوں میں دو روسی ہلاک اور آئل ریفائنری میں آگ!

ماسکو: ایجنسیاں) ماسکو پر سینکڑوں ڈرونز سے حملہ کئے گئے جس کے نتیجے میں دو افراد ہلاک ہو گئے۔ اطلاعات کے مطابق یوکرینی افواج کی جانب سے رات بھر روس پر ۰۰۰,۱ سے زائد ڈرونز داغے جانے کے بعد دو افراد ہلاک ہو گئے۔ ماسکو کے میئر نے ڈرونز کے اس سلسلے کو روسی دارالحکومت پر 'اب تک کا سب سے بڑا' حملہ قرار دیا، جس کے نتیجے میں ایک آئل ریفائنری اور ایک

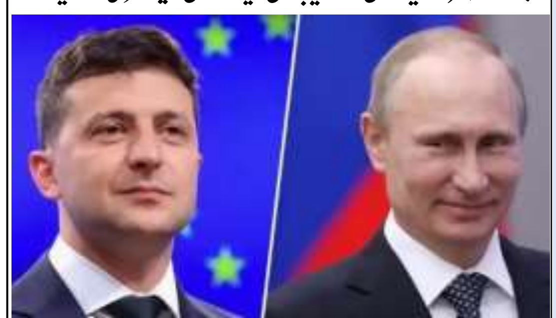

رہائشی عمارت میں آگ لگ گئی۔ مقامی گورنر آندرے وورو بیوو نے بتایا کہ وسیع تر ماسکو کے علاقے میں ہونے والے اس حملے میں دو افراد ہلاک اور ۲۰ زخمی ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ ہلاک ہونے والوں میں ایک ۷۴ سالہ مرد اور ۴۴ سالہ خاتون شامل ہیں۔ ولادیمیر زیلنسکی کی جانب سے سوشل میڈیا پر پوسٹ کی گئی ایک ویڈیو میں عمارتوں پر لپٹیں اٹھتے اور آگ کی لپیٹ میں آئی آئل ریفائنری سے سیاہ دھوئیں کے بڑے بادل اٹھتے ہوئے دکھائے گئے۔ یوکرینی صدر نے کہا "گزشتہ رات ماسکو کے علاقے میں ہمارے طویل فاصلے تک مار کرنے والے جوابی اقدامات کے بہت نمایاں اثرات مرتب ہوئے۔ اس میں روس کی تیل کی صنعت کے اہم مراکز اور جارح (روس) کی لاجسٹکس تنصیبات میں سے ایک کو نشانہ بنایا گیا۔"

یہ حملہ ایسے وقت میں ہوا جب کریملن اپنے پارلیمانی انتخابات کے تیسرے اور آخری مرحلے کو مکمل کر رہا تھا۔ یوکرین نے ان انتخابات کو غیر قانونی قرار دیا۔ واضح رہے کہ جنگ مخالف زیادہ تر امیدواروں کو انتخابات میں حصہ لینے سے روک دیا گیا تھا۔

شمالی کوریا کا نیوکلیئر پروگرام ترک کرنے سے صاف انکار

پیانگ یانگ: (نیوز ایجنسی)
شمالی کوریا نے اپنی جوہری طاقت کی حیثیت کو ناقابل واپسی قرار دیتے ہوئے جوہری ہتھیاروں کے پروگرام پر تنقید کرنے والی عالمی جوہری توانائی ایجنسی کی قرارداد مسترد کر دی ہے۔ رائٹرز کے مطابق شمالی کوریا کے رہنما کم جونگ اُن کی بہن کم یو جونگ نے IAEA پر دوہرے

معیار کا الزام عائد کیا۔ انہوں نے کہا کہ ایجنسی امریکہ اور جنوبی کوریا کی جوہری سرگرمیوں کو نظر انداز کر رہی ہے جبکہ شمالی کوریا کی جوہری سرگرمیوں کے خلاف قرارداد منظور کی گئی۔ کم یو جونگ نے جنوبی کوریا کے جوہری توانائی سے چلنے والی آبدوزیں حاصل کرنے کے منصوبے کا بھی حوالہ دیا اور اسے شمالی کوریا کے خلاف غیر منصفانہ پالیسی کا حصہ قرار دیا۔ شمالی کوریا کی وزارت خارجہ نے بھی IAEA کی قرارداد مسترد کرتے ہوئے کہا کہ ملک کی جوہری طاقت اور دفاعی صلاحیت اب ناقابل واپسی ہے اور اسے جوہری ڈیٹرنس کی حمایت حاصل ہے۔ دوسری جانب شمالی کوریا کے سرکاری میڈیا کے مطابق کم جونگ اُن نے رواں ہفتے بڑے اسلحہ ساز کارخانوں کا تین روزہ دورہ کیا اور دفاعی صلاحیت کے مختلف شعبوں کو جدید بنانے پر زور دیا۔ تجزیہ کاروں کے مطابق شمالی کوریا گزشتہ برس روس کے ساتھ دفاعی معاہدے کے بعد اپنی فوجی صلاحیتوں کو مزید جدید بنانے کی کوشش کر رہا ہے۔

ہفت روزہ
نیپال اردو ٹائمز
Weekly The
NEPAL URDU TIMES
Reg.No: 5310 -2082/2083 - www.nepalurdutimes.com
ہفت روزہ
نیپال اردو ٹائمز

شادی بیاہ: سادگی کی روایت سے نمود و نمائش

تحریر:
قاری محبوب الحسن محبوبؔ
مظفر نگری، میرٹھ

اسلام نے نکاح کو ایک پاکیزہ، بابرکت اور آسان رشتہ قرار دیا ہے۔ نکاح صرف دو افراد کے درمیان ازدواجی تعلق کا نام نہیں بلکہ دو خاندانوں کے درمیان ایک مضبوط رشتے کی بنیاد ہے۔ اسی لیے شریعت نے نکاح میں سادگی، آسانی، پاکیزگی اور اعتدال کو پسند کیا ہے۔ مگر افسوس کہ موجودہ دور میں شادی بیاہ کی تقریبات رفتہ رفتہ سادگی اور برکت کے بجائے نمود و نمائش، رسم و رواج اور فضول خرچی کا میدان بنتی جارہی ہیں۔

آج بہت سے خاندان شادی کو اپنی معاشی حیثیت اور سماجی مرتبے کی نمائش کا ذریعہ سمجھنے لگے ہیں۔ بارات کی شان و شوکت، بڑے بڑے شادی ہال، مہنگی سجاوٹ، قیمتی لباس، انواع و اقسام کے کھانے، مہندی اور سنگیت کی الگ الگ تقریبات، ڈی جے، اسٹیج پروگرام، پری ویڈنگ فوٹو شوٹ، سینیمیٹک ویڈیوز، ڈرون کیمرے اور سوشل میڈیا پر ان تقریبات کی نمائش——یہ سب مل کر شادی کے اصل مقصد کو کہیں پیچھے چھوڑ دیتے ہیں۔

نکاح عبادت ہے، نمائش نہیں

اسلام نے نکاح کو آسان بنانے کی ترغیب دی ہے۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

"إِنَّ أَعْظَمَ النِّكَاحِ بَرَكَةً أَيْسَرُهُ مَؤُونَةً"

یقیناً سب سے زیادہ برکت والا نکاح وہ ہے جس میں اخراجات سب سے کم (یا آسان)

یہ حدیث ہمارے معاشرے کے لیے ایک واضح پیغام رکھتی ہے کہ نکاح کی برکت اخراجات کی کثرت میں نہیں بلکہ آسانی اور اعتدال میں ہے۔ لیکن آج صورتِ حال یہ ہے کہ بعض جگہ نکاح سے زیادہ اس کی نمائش اہم ہوگئی ہے۔

دولہا اور دلہن کے مہنگے لباس، خصوصی میک اپ، فوٹو گرافی کے مختلف پیکیجز، پری ویڈنگ شوٹس اور کئی کئی گھنٹوں پر مشتمل ویڈیوز پر بڑی رقم خرچ کی جاتی ہے۔ بعض تقریبات میں ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے نکاح نہیں بلکہ کسی فلم کی شوٹنگ ہو رہی ہو۔ سوال یہ ہے کہ کیا چند گھنٹوں کی نمائش کے لیے اتنا مال خرچ کرنا واقعی ضروری ہے؟

پری ویڈنگ شوٹ اور سینیمیٹک کلچر

جدید شادیوں میں پری ویڈنگ فوٹو شوٹ اور سینیمیٹک ویڈیو ایک نیا رجحان بن چکا ہے۔ شادی سے پہلے نوجوان جوڑے مختلف مقامات پر فوٹو اور ویڈیو شوٹس کراتے ہیں، پھر انہیں فلمی انداز میں ایڈٹ کرکے سوشل میڈیا پر پیش کیا جاتا ہے۔

یہ صرف مالی اخراجات کا مسئلہ نہیں؛ اس کے ساتھ شرعی حدود، پردے، غیر محرموں کے سامنے تصاویر اور بعض اوقات ایسے مناظر بھی شامل ہوجاتے ہیں جو اسلامی تہذیب و حیا کے مزاج سے ہم آہنگ نہیں ہوتے۔

شادی کی خوشی منانا اپنی جگہ، لیکن خوشی کے نام پر حیا، پردہ اور اسلامی اقدار کو قربان کرنا کسی مسلمان کے لیے مناسب نہیں۔

مہندی، سنگیت اور ڈی جے کی دوڑ

ہندوستانی معاشرے میں شادیوں کے ساتھ مختلف علاقائی اور ثقافتی رسوم صدیوں سے چلی آرہی ہیں۔ ہر رسم کو محض اس لیے برا نہیں کہا جاسکتا کہ وہ نئی ہے یا غیر عربی ہے؛ اصل معیار شریعت ہے۔ جو رسم شرعی حدود سے متصادم ہو، اس میں گناہ، بے حیائی، اسراف یا غیر اسلامی تہذیب کی نقالی شامل ہو، اس سے بچنا ضروری ہے۔

آج بعض شادیوں میں مہندی اور سنگیت کے نام پر ڈی جے، فلمی گانوں، مرد و زن کے اختلاط، اسٹیج ڈانس اور غیر مناسب تفریح کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ شادی کی خوشی کو گناہ کے ماحول میں تبدیل کر دینا کسی بھی طرح دانش مندی نہیں۔

کھانوں کی کثرت، مہمانوں کی تعداد اور اسراف: شادی کی تقریبات میں کھانے کی کثرت بھی ایک بڑا مسئلہ بنتی جارہی ہے۔ کئی کئی قسم کے سالن، متعدد میٹھے، مختلف مشروبات، فاسٹ فوڈ، چائنیز، مغربی اور دیگر کھانوں کے نام پر اتنا اہتمام کیا جاتا ہے کہ کھانے کا بڑا حصہ ضائع ہو جاتا ہے۔

قرآن کریم کا واضح حکم ہے:

"وَلَا تُسْرِفُوا ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ"

"اور اسراف نہ کرو، بے شک اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

شادی میں مہمانوں کو اچھا کھانا کھلانا باعثِ اجر ہو سکتا ہے، لیکن ضرورت سے زیادہ کھانا بنانا، صرف لوگوں کو متاثر کرنے کے لیے انواع و اقسام کے کھانے سجانا اور پھر ان کا ضائع ہو جانا اسراف کے دائرے میں آتا ہے۔

جہیز: خوشی کے نام پر ایک خاموش بوجھ

ہمارے معاشرے کا ایک نہایت سنگین مسئلہ جہیز ہے۔ بعض خاندانوں میں لڑکی کی شادی اس وقت تک ممکن نہیں سمجھی جاتی جب تک اس کے ساتھ فرنیچر، برقی آلات، زیورات، گاڑی، نقد رقم اور دیگر قیمتی سامان نہ دیا جائے۔

اس کا سب سے زیادہ نقصان غریب اور متوسط طبقے کو ہوتا ہے۔ ایک باپ برسوں اپنی بیٹی کی شادی کے لیے رقم جمع کرتا ہے، قرض لیتا ہے، اپنی ضروریات قربان کرتا ہے اور بعض اوقات اپنی زندگی بھر کی جمع پونجی صرف چند گھنٹوں کی تقریب میں خرچ کر دیتا ہے۔

یہ سوچنے کا مقام ہے کہ جس نکاح کو اسلام نے آسان بنایا، ہم نے اسے اپنی رسموں کے ذریعے اتنا مشکل کیوں بنادیا؟

شادی کی دوڑ میں غریب کہاں جائے؟

امیر خاندان جب لاکھوں روپے خرچ کرکے شادی کرتے ہیں تو متوسط اور غریب طبقے پر بھی اسی معیار کو برقرار رکھنے کا سماجی دباؤ پیدا ہوتا ہے۔ پھر ایک خاندان دوسرے کی نقل کرتا ہے، دوسرا تیسرے کی، اور یوں مقابلے کی ایک ایسی دوڑ شروع ہو جاتی ہے جس کی کوئی آخری منزل نہیں۔

نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ والدین بیٹی کی شادی کے لیے قرض لیتے ہیں۔ بعض لوگ سودی قرض تک لینے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ شادی ختم ہو جاتی ہے مگر قرض کی قسطیں برسوں باقی رہتی ہیں۔

سب سے زیادہ تشویش ناک بات یہ ہے کہ بعض غریب بچیوں کے رشتے صرف اس لیے مؤخر ہو جاتے ہیں کہ والدین مہنگی شادی اور جہیز کا انتظام نہیں کرسکتے۔

کیا یہ اسلامی معاشرے کی علامت ہو سکتی ہے؟

اصل عزت سادگی میں ہے

ہمیں یہ حقیقت سمجھنے کی ضرورت ہے کہ انسان کی عزت شادی کی شان و شوکت سے نہیں بلکہ اس کے کردار، تقویٰ، اخلاق اور خاندان کی نیک نامی سے ہوتی ہے۔

جس شادی میں لاکھوں روپے خرچ ہوں، مگر اس کے بعد والدین قرض کے بوجھ تلے دب جائیں، کھانا ضائع ہو، پردے کی خلاف ورزی ہو اور کئی غیر شرعی امور انجام پائیں، وہاں ظاہری چمک دمک کے باوجود برکت کا سوال ضرور پیدا ہوتا ہے۔

اس کے برعکس ایک سادہ نکاح، محدود مہمان، مناسب کھانا، شرعی حدود کی پابندی اور فضول اخراجات سے اجتناب یہ سب شادی کو بوجھ کے بجائے خوشی اور برکت کا ذریعہ بناسکتے ہیں۔

تبدیلی کا آغاز کہاں سے ہو؟

اصلاح صرف تقریروں سے نہیں ہوگی۔ ہمیں عملی طور پر کچھ فیصلے کرنے ہوں گے۔

والدین طے کریں کہ وہ اپنی بیٹی کی شادی کو نمائش کا ذریعہ نہیں بنائیں گے۔ نوجوان عہد کریں کہ وہ غیر ضروری رسموں اور فضول اخراجات کا مطالبہ نہیں کریں گے۔ خاندان یہ فیصلہ کریں کہ شادی کو مقابلہ نہیں بنائیں گے۔

مساجد کے ائمہ، علماء، مدارس، دینی تنظیمیں اور سماجی ادارے بھی اس سلسلے میں عوامی شعور بیدار کرسکتے ہیں۔ نکاح کی مجالس میں صرف فضائلِ نکاح بیان کرنا کافی نہیں، بلکہ جہیز، اسراف، غیر شرعی رسومات اور شادی کے بڑھتے ہوئے اخراجات کے نقصانات پر بھی مسلسل گفتگو کی ضرورت ہے۔

نوجوان نسل کے نام پیغام

اے نوجوانو!

یاد رکھو، شادی ایک دن کی تقریب نہیں بلکہ پوری زندگی کا سفر ہے۔ چند گھنٹوں کی تقریب میں لاکھوں روپے خرچ کرکے سوشل میڈیا پر چند تصویریں اور ویڈیوز حاصل کرنے کے بجائے اپنی نئی زندگی کو مضبوط بنانے پر توجہ دو۔

مہنگی تقریب کے بجائے اچھا اخلاق اختیار کرو۔ غیر ضروری رسموں کے بجائے سنت کو اپناؤ۔ قرض کے بجائے اعتدال اختیار کرو۔ دکھاوے کے بجائے برکت تلاش کرو۔ اور والدین بھی یہ سمجھیں کہ بیٹی کوئی بوجھ نہیں اور اس کی شادی خاندان کی معاشی حیثیت دکھانے کا موقع نہیں۔ بیٹی کی عزت اس جہیز میں نہیں جو اس کے ساتھ بھیجا جائے، بلکہ اس تربیت، کردار اور محبت میں ہے جو اسے اپنے گھر سے ملتی ہے۔

آیئے نکاح کو آسان بنائیں

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اجتماعی طور پر شادی بیاہ کے بارے میں اپنی سوچ تبدیل کریں۔ نکاح کو مہنگا بنانے کے بجائے آسان بنائیں، شادی کو مقابلہ بنانے کے بجائے عبادت اور خوشی کا ذریعہ بنائیں، رسم و رواج کے بوجھ سے آزاد کریں اور فضول خرچی کے بجائے ضرورت مندوں کی مدد کو ترجیح دیں۔

اگر ایک خاندان سادگی اختیار کرے تو شاید لوگ اسے کم سمجھیں، لیکن اگر ایک محلہ سادگی اختیار کرے تو معاشرہ بدل سکتا ہے۔ اور اگر پورا معاشرہ نکاح کو آسان بنانے کا عزم کرلے تو نہ جانے کتنے غریب گھروں کی بیٹیوں کے لیے خوشیوں کے دروازے کھل سکتے ہیں۔

قرآن ہمیں یاد دلاتا ہے: "إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ" "یقیناً فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔

لہٰذا ہمیں فیصلہ کرنا ہوگا کہ ہم اپنی شادیوں میں برکت چاہتے ہیں یا صرف چمک دمک؟

شادی کا اصل حسن مہنگے لباس، بڑے ہال، قیمتی اسٹیج، ڈرون کیمروں اور لاکھوں روپے کی سجاوٹ میں نہیں، بلکہ نکاح کی پاکیزگی، سنت کی پیروی، خاندانوں کی خوشی، والدین کے اطمینان اور نئی زندگی کی برکت میں ہے۔

تعلیماتِ غوثِ اعظم اور عصرِ حاضر کا انسان

از: محمد شمیم احمد نوری مصباحی خادم: دارالعلوم انوارِ مصطفیٰ سہلاؤ شریف، باڑمیر (راجستھان)

انسان نے ترقی کی بے شمار منزلیں طے کرلی ہیں۔ زمین کی وسعتیں سمٹ کر اس کی انگلیوں کے اشارے پر آگئی ہیں، فاصلے چند لمحوں میں طے ہونے لگے ہیں، ذرائعِ ابلاغ نے دنیا کو ایک عالمی بستی میں تبدیل کر دیا ہے، صنعت و تجارت نے انسانی زندگی کو سہولتوں کے بے شمار سامان فراہم کردیے ہیں؛ لیکن اس تمام ظاہری ترقی کے باوجود ایک سوال آج بھی اپنی پوری شدت کے ساتھ انسان کے سامنے کھڑا ہے: کیا انسان کو وہ سکون بھی حاصل ہوگیا جس کی اسے تلاش تھی؟

مادی وسائل میں اضافہ ہوا، مگر دل کا اضطراب کم نہ ہوا؛ معلومات کے خزانے وسیع ہوئے، مگر معرفتِ حق کی پیاس باقی رہی؛ رابطے آسان ہوئے، مگر دلوں کے درمیان فاصلے بڑھتے گئے۔ خود غرضی، حرص، حسد، بے اطمینانی، اخلاقی انحطاط اور روحانی تشنگی نے جدید انسان کو ایک ایسے مقام پر لا کھڑا کیا ہے جہاں اسے محض نئی ایجادات نہیں بلکہ نئی روحانی بصیرت کی ضرورت ہے۔

ایسے ہی مواقع پر تاریخِ اسلام کے آسمان پر وہ مردانِ خدا جلوہ گر ہوتے ہیں جو کتاب و سنت کی روشنی میں دلوں کی دنیا آباد کرتے، علم کو عمل سے جوڑتے اور روحانی زندگی کو اخلاقی کردار میں ڈھالتے ہیں۔ انہی عظیم ہستیوں میں ایک نمایاں و رخشندہ نام سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے، جنہیں امتِ مسلمہ نے محبت و عقیدت سے غوثِ اعظم، محی الدین، پیرانِ پیر اور قطبِ ربانی جیسے القاب سے یاد کیا۔

حضور غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کا مطالعہ فقط کرامات کے آئینے میں کرنا ان کی جامع شخصیت کو ایک محدود دائرے میں مقید کر دینا ہے۔ کرامت یقیناً اولیائے کرام کی حیاتِ طیبہ کا ایک روشن باب ہے، لیکن ولایت کا اصل جوہر استقامت، تقویٰ، اتباعِ شریعت، اخلاص اور بندگی میں ہے۔ اسی لیے اولیائے کرام کے یہاں یہ معروف اصول بیان ہوا ہے: "اَلْاِسْتِقَامَةُ فَوْقَ الْكَرَامَةِ" یعنی استقامت کرامت سے بلند تر مقام رکھتی ہے۔ یہی وہ نکتہ ہے جس کی روشنی میں ہمیں سیدنا غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی حیات و تعلیمات کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ جس ذات کی کرامات نے دلوں کو حیرت میں ڈالا، اس ذات کے علم نے کیا انقلاب برپا کیا؟ جس کے نام سے عقیدت مندوں کے دل منور ہوتے ہیں، اس کے افکار نے انسان کو زندگی گزارنے کا کون سا راستہ دکھایا؟ جس کی بارگاہ میں لوگ روحانی فیض کے لیے حاضر ہوتے تھے، وہاں سے انہیں شریعت، سنت، تقویٰ، صدق، صبر، توحید اور اصلاحِ باطن کا کیا درس ملتا تھا؟

علم و معرفت کا آفتاب:

محبوبِ سبحانی سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت میں شریعت اور طریقت کا ایسا حسین امتزاج نظر آتا ہے جس کی مثال کم ملتی ہے۔ آپ نے علومِ دین کے حصول کو اپنی زندگی کا بنیادی مشن بنایا۔ قرآن، حدیث، فقہ، اصول، تفسیر اور دیگر علومِ دینیہ میں تحصیلِ علم کے بعد آپ نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ تعلیم، تدریس، فتویٰ، وعظ و ارشاد اور اصلاحِ خلق میں صرف کیا۔

آپ کی مجالس صرف وجد و حال کی محفلیں نہ تھیں بلکہ وہاں علم کی شمع بھی روشن تھی اور دلوں کی دنیا بھی سنواری جاتی تھی۔ آپ کے مواعظ میں قرآن و حدیث کی روشنی، فقہی بصیرت، روحانی تربیت اور اخلاقی اصلاح ایک دوسرے سے مربوط دکھائی دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے فیضانِ علم سے ایک وسیع حلقۂ علماء، فقہاء، محدثین اور اہلِ سلوک نے استفادہ کیا۔ آپ کی علمی شخصیت کا ایک نمایاں پہلو یہ تھا کہ آپ علم کو صرف ذہنی ذخیرہ نہیں بلکہ اصلاحِ انسان کا وسیلہ سمجھتے تھے۔

آج ہمارے لیے اس میں ایک بڑا سبق ہے۔ موجودہ زمانے میں معلومات کی کمی نہیں؛ چند لمحوں میں انسان ہزاروں کتابوں اور لاکھوں صفحات تک پہنچ سکتا ہے، لیکن علم کی کثرت ہمیشہ ہدایت کی ضمانت نہیں ہوتی۔ ضرورت اس علم کی ہے جو انسان کے اندر خشیت پیدا کرے، کردار سنوارے، حقوق العباد کا احساس بیدار کرے اور اسے اپنے رب کے سامنے جواب دہ ہونے کا شعور عطا کرے۔

شریعت: سلوک کی بنیاد

حضور غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کا سب سے نمایاں پہلو کتاب و سنت کی پابندی ہے۔ آپ کے نزدیک تصوف شریعت سے الگ کوئی راستہ نہیں بلکہ شریعت ہی کی روحانی تکمیل اور باطنی تربیت کا نام ہے۔

آپ سے منسوب معروف ارشاد ہے:

« شَرِيعَةٌ لَا يَشْهَدُ لَهَا حَقِيقَةٌ فَهِيَ زَنْدَقَةٌ »

یعنی جس حقیقت کی شریعت گواہی نہ دے، وہ حقیقت معتبر نہیں۔

اس فکر میں ہمارے عہد کے لیے بہت گہرا پیغام پوشیدہ ہے۔ آج ایک طرف ظاہری دینداری کو روحانی اصلاح سے الگ کرنے کا رجحان ہے، دوسری طرف بعض لوگ روحانیت کے نام پر شریعت کی پابندی کو ثانوی سمجھنے لگتے ہیں۔ غوثِ اعظم کی تعلیمات دونوں انتہاؤں کی اصلاح کرتی ہیں: ظاہر بھی درست ہو اور باطن بھی؛ عبادت بھی ہو اور اخلاص بھی؛ علم بھی ہو اور عمل بھی۔

آپ کی تعلیمات کا حاصل یہی ہے کہ کتاب و سنت سے وابستگی کے بغیر کوئی روحانی مقام انسان کو منزلِ مقصود تک نہیں پہنچا سکتا۔ توحید اور تعلق باللہ حضور غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ میں توحید کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ انسان کا اصل سرمایہ یہ ہے کہ اس کا دل اپنے خالق و مالک سے وابستہ ہو۔ دنیا کے اسباب اختیار کرنا اپنی جگہ، مگر دل کا بھروسا اللہ تعالیٰ پر ہو۔ آج کا انسان اسباب کی کثرت میں اسباب کے خالق کو بھولتا جارہا ہے۔ دولت، منصب، شہرت، ٹیکنالوجی اور معاشرتی حیثیت اس کی ترجیحات کا مرکز بنتی جارہی ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ وسائل بڑھنے کے باوجود اطمینان کم ہوتا جارہا ہے۔ تعلیماتِ غوثیہ انسان کو یاد دلاتی ہیں کہ دل کا حقیقی سکون مادی ملکیت میں نہیں، تعلق باللہ میں ہے۔

دنیا ہاتھ میں ہو، دل میں نہیں:

حضور غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات میں دنیا کی حقیقت کو بار بار واضح کیا گیا ہے۔ دنیا کو ترک کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ انسان جائز معاش، خاندان، تجارت یا معاشرتی ذمہ داریوں سے دست بردار ہوجائے؛ بلکہ اصل تعلیم یہ ہے کہ دنیا انسان کی ضرورت رہے، اس کی معبود نہ بنے۔

دنیا اگر ہاتھ میں ہو تو نعمت ہے، اور اگر دل میں اتر جائے تو آزمائش بن جاتی ہے۔

آج کے معاشرے میں حرص، مقابلہ، نام و نمود، نمائش اور مادہ پرستی نے انسانی اقدار کو بری طرح متاثر کیا ہے۔ انسان اپنی قدر اپنے کردار سے نہیں بلکہ لباس، مکان، گاڑی، منصب اور مالی حیثیت سے ناپنے لگا ہے۔ ایسے ماحول میں حضور غوثِ اعظم کا پیغام انسان کو یاد دلاتا ہے کہ اصل کامیابی مال جمع کرنے میں نہیں، نفس کو قابو کرنے میں ہے۔

صدق، صفا اور اصلاحِ باطن:

آپ کی تعلیمات میں صدق و صفا کو خصوصی مقام حاصل ہے۔ قربِ الٰہی کی راہ جھوٹ، ریا، تکبر، حسد اور خود پسندی سے ہو کر نہیں گزرتی۔

آج مذہبی زندگی میں بھی باطن کی اصلاح کی شدید ضرورت ہے۔ زبان پر ذکر ہو مگر دل میں کینہ ہو، ظاہر میں دینداری ہو مگر معاملات میں خیانت ہو، عبادت ہو مگر حقوق العباد پامال ہوں تو روحانی تربیت کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔

حضور غوثِ اعظم کی تعلیمات انسان کو اپنے باطن کی طرف متوجہ کرتی ہیں۔ وہ دوسروں کی اصلاح سے پہلے اپنے نفس کے احتساب کا درس دیتی ہیں۔ یہی وہ تربیت ہے جس سے فرد بھی سنورتا ہے اور معاشرہ بھی۔

امر بالمعروف اور اصلاحِ معاشرہ:

حضور غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی محض گوشۂ تنہائی کی زندگی نہ تھی۔ آپ نے معاشرے کے درمیان رہ کر اصلاح کا فریضہ انجام دیا۔ آپ کے وعظ و ارشاد نے گناہ گاروں کو توبہ کی طرف متوجہ کیا، اہلِ علم کو علم کی ذمہ داری یاد دلائی اور عام انسان کو آخرت کی جواب دہی کا احساس عطا کیا۔ آپ کی مجالس میں علم بھی تھا اور درد بھی؛ تنبیہ بھی تھی اور امید بھی؛ خوف بھی تھا اور رحمت کی بشارت بھی۔

یہی دعوتی توازن آج بھی مطلوب ہے۔ دین کی دعوت ایسی ہو جو انسان کو گناہ سے بچائے مگر مایوس نہ کرے، آخرت سے ڈرائے مگر رحمتِ الٰہی سے محروم نہ کرے، شریعت کی پابندی سکھائے مگر حکمت و حسنِ اخلاق کے ساتھ۔

صبر اور استقامت:

حضور غوثِ اعظم کی تعلیمات میں صبر محض مصیبت برداشت کرنے کا نام نہیں بلکہ حق پر ثابت قدم رہنے کا نام ہے۔ زندگی کے نشیب و فراز میں ایمان، شریعت اور اخلاق کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے، یہی حقیقی صبر ہے۔

آج انسان معمولی ناکامی پر ٹوٹ جاتا ہے۔ معاشی پریشانی، گھریلو اختلاف، کاروباری نقصان، معاشرتی تنقید یا کسی خواہش کی عدم تکمیل اسے اضطراب میں مبتلا کر دیتی ہے۔ ایسے ماحول میں تعلیماتِ غوثیہ انسان کو صبر، توکل اور استقامت کا حوصلہ دیتی ہیں۔

تصوف: شریعت کے تابع

حضور غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں تصوف محض لباس، لقب یا ظاہری وضع قطع کا نام نہیں۔ تصوف دراصل نفس کی اصلاح، دل کی پاکیزگی، اخلاص، تواضع، صدق اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے سامنے اپنی خواہشات کو تابع کرنے کا نام ہے۔

حقیقی فقیر وہ نہیں جو لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائے؛ حقیقی فقیر وہ ہے جس کا دل اللہ تعالیٰ کے سوا ہر غیر سے بے نیاز ہو۔ وہ علم حاصل کرے، عمل کرے، خدمت کرے، مگر اپنی ذات کو مرکزِ نگاہ نہ بنائے۔

آج تصوف کے نام پر پیدا ہونے والی بعض غلط فہمیوں کا علاج بھی اسی حقیقی تعلیم میں موجود ہے۔ تصوف اگر شریعت سے جدا کر دیا جائے تو اس کی روح باقی نہیں رہتی، اور شریعت اگر اخلاق و تزکیہ سے خالی ہوجائے تو اس کا مطلوبہ باطنی اثر کمزور پڑ جاتا ہے۔ غوثِ اعظم کی تعلیمات دونوں کو باہم مربوط کرتی ہیں۔

آج کے انسان کو غوثِ اعظم سے کیا لینا ہے؟

آج ضرورت صرف یہ نہیں کہ ہم غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا نام لیں، ان کے فضائل بیان کریں یا ان کی کرامات سن کر محظوظ ہوں؛ اصل ضرورت یہ ہے کہ ان کی تعلیمات ہماری زندگی میں اتر آئیں۔

اگر ہم ان سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں تو ہمیں علم سے محبت کرنی ہوگی۔

اگر ان کے نام پر عقیدت کا اظہار کرتے ہیں تو ہمیں شریعت کی پابندی اختیار کرنی ہوگی۔

اگر ان کے روحانی فیضان کے طلب گار ہیں تو ہمیں اپنے باطن کی اصلاح کرنی ہوگی۔

اگر ان کی نسبت پر فخر کرتے ہیں تو ہمیں صدق، امانت، تواضع اور حسنِ اخلاق کو اپنی زندگی کا حصہ بنانا ہوگا۔

اگر ان کی دعوت کو زندہ رکھنا چاہتے ہیں تو ہمیں معاشرے میں خیر پھیلانا ہوگا، نفرت نہیں؛ اصلاح کرنی ہوگی، فساد نہیں؛ جوڑنا ہوگا، توڑنا نہیں۔

یہی تعلیماتِ غوثیہ کی عصری معنویت ہے۔

کرامت سے آگے، کردار کی طرف:

غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی کرامات کا تذکرہ اپنی جگہ محبت و عقیدت کا باب ہے، لیکن ان کی شخصیت کا اصل فیضان اس وقت ہماری زندگی میں ظاہر ہوگا جب ہم کرامت کے تذکرے سے آگے بڑھ کر استقامت کے راستے پر قدم رکھیں گے۔

ہم ان کی زندگی سے یہ سیکھیں کہ علم حاصل کیسے کیا جاتا ہے، علم پر عمل کیسے کیا جاتا ہے، نفس کا محاسبہ کیسے کیا جاتا ہے، شریعت سے وابستگی کیسے قائم رکھی جاتی ہے، دنیا میں رہتے ہوئے دنیا کی غلامی سے کیسے بچا جاتا ہے، اور مخلوقِ خدا کی خیر خواہی کو اپنی زندگی کا مقصد کیسے بنایا جاتا ہے۔

یہی وہ پیغام ہے جس کی آج کے انسان کو سب سے زیادہ ضرورت ہے۔

صدیاں گزر گئیں، زمانے بدل گئے، تہذیبیں بدل گئیں، ذرائع بدل گئے، مگر انسان کی بنیادی ضرورت نہیں بدلی۔ آج بھی اسے ایمان چاہیے، کردار چاہیے، سکون چاہیے، مقصدِ زندگی چاہیے اور اپنے رب سے مضبوط تعلق چاہیے۔

اسی لیے غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کسی ایک عہد، خطے یا طبقے کے لیے مخصوص نہیں۔ یہ انسان کے باطن کی اصلاح کا وہ پیغام ہے جس کی ضرورت ہر اس دور میں باقی رہتی ہے جہاں مادیت روحانیت پر غالب آنے لگے، علم عمل سے جدا ہو جائے اور انسان اپنے خالق کو بھول کر اپنی ذات اور دنیا کو مقصدِ زندگی سمجھ بیٹھے۔

آج اگر ہم واقعی غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے وابستگی کا حق ادا کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں ان کی تعلیمات کو محض جلسوں کے منبر سے اتار کر اپنے کردار، اپنے معاملات، اپنے گھروں، اپنے مدارس، اپنی خانقاہوں اور اپنے معاشرے کی عملی زندگی میں جگہ دینا ہوگی۔

کیونکہ غوثِ اعظم کی حقیقی یاد وہ نہیں جو صرف زبان پر ہو؛ حقیقی یاد وہ ہے جو کردار میں نظر آئے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں سیدنا غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی محبت کے ساتھ ان کی تعلیمات کو سمجھنے، ان پر عمل کرنے اور ان کے فیضانِ علم و عمل کو آگے پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے، اور ہمیں کتاب و سنت کی سچی پیروی، صدق و صفا، تقویٰ و استقامت اور خدمتِ خلق کی دولت سے مالا مال فرمائے۔

از: محمد شمیم احمد نوری مصباحی
خادم: دارالعلوم انوارِ مصطفیٰ
سہلاؤ شریف، باڑمیر
(راجستھان)

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

فارغینِ مدارس کی اسناد کا معادلہ کیوں ضروری ہے؟

ڈاکٹر سلیم انصاری
جھاپا نیپال

مدارس سے تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ اور علماء کی اسناد کو نیپال کے تعلیمی نظام میں مناسب تعلیمی سطح کے ساتھ تسلیم کرنا ایک اہم مسئلہ ہے۔ بہت سے طلبہ اپنی زندگی کے کئی سال قرآن، حدیث، فقہ، اصولِ فقہ، عربی زبان و ادب، اسلامی تاریخ اور دیگر علوم کی تعلیم میں صرف کرتے ہیں۔ لیکن جب یہی طلبہ اعلیٰ تعلیم، ملازمت، تحقیق یا کسی سرکاری موقع کے لیے اپنی اسناد پیش کرتے ہیں تو ان کی تعلیمی سطح واضح نہ ہونے کی وجہ سے انہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

یہاں ایکویویلنسی یا معادلہ کی اہمیت سامنے آتی ہے۔ ایکویویلنسی کا مطلب یہ نہیں کہ ہر مدرسے کی ہر سند کو بغیر جانچ کے کسی مخصوص ڈگری کے برابر قرار دے دیا جائے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ کسی سند کے ادارے، نصاب، مدتِ تعلیم، داخلے کے معیار، امتحانی نظام، مضامین اور سند کی تصدیق کو مقررہ تعلیمی معیار کے مطابق جانچا جائے اور اس کے بعد اس کی مناسب تعلیمی سطح طے کی جائے۔

اہم بات یہ ہے کہ مدارس کی اسناد کا معادلہ اصولی طور پر ممکن ہے۔ نیپال کے یونیورسٹی گرانٹس کمیشن، یعنی یو جی سی، کے نظام میں تعلیمی اسناد کی ایکویویلنسی سے متعلق طریقۂ کار موجود ہے۔ یو جی سی کی دستاویزات میں اسناد کی ایکویویلنسی اور تعلیمی جائزے کا ذکر ملتا ہے، جبکہ متعلقہ تعلیمی سطح اور نصاب کے تقابل کی ضرورت بھی اس عمل کا حصہ ہے۔ اس سلسلے میں یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ نیپال میں بعض مدارس کی اسناد کے معادلے کی مثالیں موجود ہیں، جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ معاملہ محض ایک نظری امکان نہیں بلکہ عملی طور پر بھی ممکن ہے۔ مثال کے طور پر مدرسہ سید احمد شہید کٹولی کی بعض اسناد کے معادلے کا معاملہ نیپال کے یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کے ذریعے آگے بڑھایا گیا ہے۔ اس طرح کی مثالوں کا باقاعدہ مطالعہ کرکے دوسرے مدارس بھی یہ سمجھ سکتے ہیں کہ کن تعلیمی دستاویزات، نصابی تفصیلات اور ادارہ جاتی معلومات کی ضرورت ہوتی ہے اور کس طریقۂ کار کے تحت اپنی اسناد کو تعلیمی نظام میں تسلیم کرانے کی کوشش کی جاسکتی ہے۔

اس لیے یہ تصور درست نہیں کہ مدارس کی اسناد کا معادلہ سرے سے ممکن ہی نہیں۔ اصل ضرورت یہ ہے کہ مدارس اور ان کے فارغین اپنی تعلیمی معلومات کو اس انداز میں مرتب کریں کہ متعلقہ ادارے ان کا باقاعدہ جائزہ لے سکیں۔

اس سلسلے میں مدرسے کو اپنی اسناد، مکمل نصابِ تعلیم، ہر درجے کی مدتِ تعلیم، داخلے کی شرائط، مضامین، امتحانی نظام، تعلیمی اوقات اور دیگر متعلقہ معلومات کو منظم شکل میں تیار کرنا چاہیے۔ خصوصاً نصابِ تعلیم کا مستند انگریزی ترجمہ تیار کرکے مدرسے کی ویب سائٹ پر اپلوڈ کیا جانا چاہیے۔ اس کے ساتھ مختلف درجات کی اسناد، مارک شیٹس یا تعلیمی ریکارڈ، ادارے کا تعارف اور سند کی تصدیق کا طریقہ بھی آن لائن دستیاب ہونا چاہیے۔ اس سے متعلقہ تعلیمی اداروں کے لیے نصاب اور تعلیمی سطح کا جائزہ لینا آسان ہوگا۔ ضرورت پڑنے پر مزید دستاویزات یا معلومات بھی فراہم کی جاسکتی ہیں۔

یو جی سی کی ویب سائٹ کے ذریعے اعلیٰ تعلیمی اسناد کے معادلے کے لیے آن لائن طریقۂ کار بھی موجود ہے۔ اس لیے مدارس کے فارغین کو اس سہولت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی اسناد کے معادلے کے لیے باقاعدہ کوشش کرنی چاہیے۔ تاہم اس عمل کو مؤثر بنانے کے لیے ضروری ہے کہ مدرسے کی تعلیمی معلومات پہلے سے منظم، واضح اور قابلِ تصدیق شکل میں دستیاب ہوں۔

ایکویویلنسی کا مطلب یہ نہیں کہ ہر مدرسے کی ہر سند کو بغیر جانچ کے تسلیم کرلیا جائے۔ ادارے کی حیثیت، نصاب، مدتِ تعلیم، داخلے کی اہلیت، امتحانی نظام، سند کی اصلیت اور تعلیمی سطح کو مقررہ معیار کے مطابق جانچنا ضروری ہے۔ اگر کسی سند میں کسی مخصوص مضمون یا مہارت کی کمی ہو تو اضافی کورس، تکمیلی تعلیم یا امتحان کے ذریعے اس کمی کو پورا کرنے کا راستہ نکالا جاسکتا ہے۔

اس سلسلے میں نصاب کا تقابلی جائزہ بھی ایک مؤثر طریقہ ہو سکتا ہے، جس کے ذریعے مدارس کے نصاب کا متعلقہ تعلیمی سطح کے نصاب سے موازنہ کیا جائے۔ جہاں ضرورت ہو وہاں تعلیمی انگریزی، نیپالی زبان، تحقیقی طریقۂ کار، کمپیوٹر کی بنیادی مہارت اور علمی تحریر جیسے مضامین کے اضافی کورسز یا امتحانات رکھے جاسکتے ہیں۔

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اب تک مدارس کے بہت سے فارغین نے اپنی اسناد کی تعلیمی حیثیت کو باقاعدہ طور پر تسلیم کرانے کے مسئلے پر مطلوبہ توجہ نہیں دی۔ اسی طرح مسلم تعلیمی و سماجی تنظیموں کی طرف سے بھی اس سلسلے میں وہ منظم اور مسلسل کوشش نظر نہیں آئی جس کی ضرورت تھی۔ نتیجتاً بہت سے ایسے فارغین، جنہوں نے برسوں دینی اور عربی علوم حاصل کیے ہیں، اپنی تعلیم کی بنیاد پر اعلیٰ تعلیم، تحقیق، روزگار اور دیگر مواقع تک رسائی میں مشکلات کا سامنا کرتے ہیں۔

یہ صورتِ حال مزید تاخیر کی متحمل نہیں۔ اب ضرورت ہے کہ مدارس، فارغینِ مدارس اور مسلم تعلیمی و سماجی تنظیمیں اس مسئلے کو ترجیحی بنیاد پر لیں اور عملی کام شروع کریں۔ ہر مدرسے کو اپنی تعلیمی معلومات، نصاب، اسناد اور دیگر ضروری دستاویزات کا مکمل ریکارڈ تیار کرنا چاہیے۔ ان معلومات کا انگریزی ترجمہ کرکے ویب سائٹ پر دستیاب کرایا جائے، تاکہ متعلقہ تعلیمی ادارے ابتدائی جائزہ لے سکیں۔ اس کے بعد فارغین اپنی اسناد کے معادلے کے لیے دستیاب سرکاری طریقۂ کار اختیار کریں اور ضرورت پڑنے پر مطلوبہ اضافی معلومات یا دستاویزات فراہم کریں۔

مسلم تنظیمیں بھی اس مسئلے کو انفرادی کوششوں تک محدود رکھنے کے بجائے ایک منظم تعلیمی منصوبے کی شکل دے سکتی ہیں۔ ماہرینِ تعلیم، مدارس کے اساتذہ، فارغین، قانونی ماہرین اور متعلقہ سرکاری اداروں کے نمائندوں کو ساتھ بٹھا کر ایک عملی لائحۂ عمل تیار کیا جاسکتا ہے۔ ملک بھر کے مدارس کی تعلیمی معلومات جمع کرکے ان کے نصاب، تعلیمی مدت اور اسناد کا منظم ریکارڈ تیار کیا جائے تو مستقبل میں ایکویویلنسی کا عمل مزید آسان اور شفاف ہو سکتا ہے۔

مدارس کی اسناد کی ایکویویلنسی کا مطالبہ کسی خصوصی رعایت کا مطالبہ نہیں ہے۔ اس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ ہر سند کو اس کے حقیقی تعلیمی معیار، نصاب اور تعلیمی سطح کی بنیاد پر جانچا جائے۔ اگر کوئی سند مقررہ معیار پر پوری اترتی ہے تو اسے مناسب تعلیمی سطح کی ایکویویلنسی ملنی چاہیے۔ اگر کچھ کمی موجود ہے تو اضافی تعلیم یا امتحان کے ذریعے اسے پورا کرنے کا موقع دیا جانا چاہیے، اور اگر سند کی تصدیق میں کوئی مسئلہ ہو تو اس کے بارے میں واضح اور شفاف فیصلہ ہونا چاہیے۔

اب مزید تاخیر کے بجائے عملی قدم اٹھانے کی ضرورت ہے۔ مدارس اپنی تعلیمی معلومات اور نصاب کو منظم کریں، فارغین اپنی اسناد کے معادلے کے لیے کوشش کریں، اور مسلم تعلیمی تنظیمیں اس پورے عمل کو منظم اور ادارہ جاتی شکل دینے میں اپنا کردار ادا کریں۔ مدارس کے فارغین کی برسوں کی محنت کو ایک واضح، شفاف اور منصفانہ تعلیمی نظام کے ذریعے آگے بڑھنے کا راستہ ملنا چاہیے۔ ڈاکٹر سلیم انصاری جھاپا نیپال

حرمین شریفین کی امانت

محمد عمران ندوی:

عالمِ اسلام ہی نہیں، بلکہ پوری دنیا اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ چند روز قبل یمن کے حوثیوں کی جانب سے سعودی عرب پر حملہ ہوا۔ فرصت نہ ہونے کے باعث اس وقت قلم کو حرکت نہ دے سکا، مگر آج دل کی کچھ باتیں قرآن اور تاریخی واقعات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے قلم بند کر رہا ہوں۔ ممکن ہے یہ تحریر بہت سے دلوں کو جھنجھوڑ دے، کسی کے دل کو چھلنی کر دے، یا بعض احباب کا دل اسے قبول کرنے سے انکار کر دے؛ لیکن میں اپنی فطری عادت سے مجبور ہوں کہ جو بات دل میں اترتی ہے، اسے الفاظ کا جامہ پہنا دیتا ہوں۔

قلم میرا نہیں، امانتِ حق سمجھتا ہوں
جو سچ دل میں اتر آئے، وہی رقم کرتا ہوں

سرزمینِ حرمین شریفین، سرزمینِ محمدِ عربی ﷺ سے ہر صاحبِ ایمان کو قلبی محبت ہے، اور مسلمانوں کے لیے یہ سرزمین اپنی جان و مال سے بھی بڑھ کر عزیز ہے، اور ہونی بھی چاہیے۔

یہ وہ مقدس سرزمین ہے جہاں سے اللہ کے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ کا آخری دین، یعنی دینِ اسلام لے کر اٹھے۔ عالمِ انسانیت اُس وقت بھوکی پیاسی تھی، اسے اُس آبِ حیات کی ضرورت تھی جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی ﷺ کے ذریعے دنیا کے ہر انسان تک پہنچایا؛ وہ آبِ حیات شریعتِ مطہرہ تھی، اخلاقِ حسنہ کا اعلیٰ نمونہ تھا، اتحاد و اتفاق تھا، انسانیت تھی، مساوات تھی، جہاں امیر و غریب سب ایک تھے، اور جہاں ہر شخص دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہونے کا جذبہ رکھتا تھا۔

وہ قرآنِ پاک تھا جس کی ایک ایک آیت پر عمل کرکے رسول اللہ ﷺ نے دنیا کے سامنے عملی نمونہ پیش فرمایا۔ آپ ﷺ نے انسانوں کو وہ تمام باتیں بتائیں جو ان کی دنیوی و اخروی کامیابی کے لیے ضروری تھیں۔ آپ ﷺ کے بعد آپ کی مقدس ترین جماعت، صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی اس دین کا عملی نمونہ پیش کیا اور دنیا کے سامنے عدل، دیانت، اخوت اور شریعت کی عظیم مثال قائم کی۔

لیکن افسوس، صد افسوس! آج اسی نبی ﷺ کی سرزمین پر ایسی حکومت کے بارے میں سوالات اٹھ رہے ہیں کہ وہ رسولِ کریم ﷺ کے لائے ہوئے دین کی روح سے کس قدر ہم آہنگ ہے۔ دینِ اسلام کے دشمن یہود و نصاریٰ سے تعلقات، جزیرۃ العرب میں غیر ملکی فوجی موجودگی، اور فلسطین و مسجدِ اقصیٰ کے معاملے میں مسلم دنیا کے کردار جیسے سوالات آج بھی اہلِ ایمان کے دلوں میں اضطراب پیدا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے:
﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ﴾

مجھے بتائیے، موجودہ حکومت کے بارے میں یہ سوال کیوں نہ اٹھایا جائے کہ وہ ان طاقتوں کے ساتھ اپنے تعلقات میں اسلامی اصولوں کو کس حد تک پیشِ نظر رکھتی ہے؟ جس کے پاس اتنی طاقت ہے، وہ مسجدِ اقصیٰ کے معاملے میں اپنا کردار مزید مؤثر کیوں نہ بنائے؟ فلسطینی مظلوموں کی جان و مال کی حفاظت اور ان کی مدد کے لیے اپنی استطاعت کے مطابق زیادہ مضبوط آواز کیوں نہ اٹھائے؟ آخر ظالم کے خلاف بولنے میں وہ قوت و جرأت کہاں ہے جس کی امتِ مسلمہ اپنے حکمرانوں سے توقع رکھتی ہے؟ مجھے اس وقت بہت افسوس ہوتا ہے جب کوئی ایسی حکومت کو صرف "مملکتِ توحید" کہہ کر ہر سوال سے بالاتر سمجھنے لگتا ہے۔ جن مقامات پر کبھی رقص و سرود تو دور کی بات، بے پردگی کی معمولی سی گنجائش بھی نہ تھی، وہاں آج تفریحی پروگرام، موسیقی، سینما اور بے پردگی کے مناظر دیکھنے کو ملتے ہیں۔ یہ سب کچھ سوشل میڈیا کے ذریعے دنیا کے سامنے ہے۔

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مقدس شہروں سے نسبت رکھنے والی سرزمین پر یہ سب دیکھ کر ایک صاحبِ ایمان کے دل میں سوال پیدا ہونا فطری ہے کہ خادم الحرمین الشریفین کے لقب کے ساتھ ان مقدس مقامات کی روحانی عظمت اور اسلامی ماحول کی حفاظت کی ذمہ داری کہاں تک پوری ہو رہی ہے؟

دجالی شہر کے تصورات ہوں، رقص و سرود کی محافل ہوں، سینما ہال ہوں، یا سوشل میڈیا پر گردش کرنے والے محمد بن سلمان کا مجسمہ اور مندروں کے قیام، ان سب نے بہت سے مسلمانوں کے دلوں کو اضطراب میں مبتلا کیا ہے۔ یہ سب کرتے اور کرواتے ہوئے اللہ، رسول ﷺ اور حرمین شریفین کی نسبت دل میں کتنی شدت سے زندہ رہتی ہے؟

جب حکومت کو اپنے اقتدار کے بارے میں خطرہ محسوس ہوتا ہے تو حرمین شریفین کی حفاظت کا مسئلہ بھی سامنے آتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ حرمین شریفین پر حملہ ہو گیا۔ میرے نزدیک اس پہلو پر بھی غور ہونا چاہیے کہ کہیں مقدس مقامات کی نسبت کو سیاسی بحث میں استعمال تو نہیں کیا جا رہا؟ اس کے آڑ میں حکومت کی کوئی چال تو نہیں، البتہ میں ہرگز یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میں یمنی حوثیوں کے دل کی بات جانتا ہوں، دلوں کے راز تو صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، وہ اپنے فہم، مشاہدے اور سامنے آنے والے واقعات کی بنیاد پر کہہ رہا ہوں۔ اور اگر کسی نے واقعی حرمین شریفین کو نقصان پہنچانے کی نیت کی ہے تو یاد رکھیے کہ حرمین شریفین کی اصل حفاظت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ چودہ سو سال قبل اللہ تعالیٰ نے ابرہہ کے لشکر اور اس کے ہاتھیوں کو ابابیل کے ذریعے نیست و نابود کرکے قیامت تک کے لیے عبرت بنا دیا۔

قرآنِ مجید نے اس واقعے کو یوں محفوظ فرمایا:
﴿وَأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيلَ ○ تَرْمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ مِنْ سِجِّيلٍ﴾

جو ذات اپنے گھر کی حفاظت کے لیے ابابیل بھیج سکتی ہے، وہ حرمین شریفین کی حفاظت پر بھی کامل قدرت رکھتی ہے۔ جو کوئی ان مقدس مقامات کی طرف بری نگاہ اٹھائے، اس کے شر سے حفاظت فرمانے والا اللہ ہی ہے جس کے ذریعے چاہے گا اس کے ذریعے سے حفاظت فرمائے گا۔

اگر موجودہ حکومت کے خلاف کوئی سیاسی کشمکش جاری ہے تو اس کے نتائج کیا ہوں گے، یہ مستقبل اور اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ میری دعا تو یہی ہے کہ حرمین شریفین کی خدمت، پاسبانی اور حفاظت ایسے ہاتھوں میں ہو جو اس ذمہ داری کو محض ایک منصب نہیں بلکہ عظیم دینی امانت سمجھیں۔

یمنی علماء کے بعض بیانات کے مطابق یہ بات سامنے آرہی ہے کہ ان کا مقصد حرمین شریفین کو نقصان پہنچانا نہیں بلکہ حکومت، امریکی و اسرائیلی مفادات، عسکری تنصیبات اور تیل کی تنصیبات کو نشانہ بنانا ہے، اور عام لوگوں کو نقصان پہنچانا ان کا مقصد نہیں۔ اگر واقعی مقصد یہی ہے تو معاملہ اپنی جگہ الگ ہے؛ تاہم کسی کے دل میں کیا ہے، اس کا حقیقی علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ مجھے سعودی حکومت سے، واللہ، کسی قسم کی ذاتی دشمنی نہیں، نہ میں ذاتی عناد کی بنا پر اس کے خلاف لکھنا چاہتا ہوں؛ لیکن بعض اعمال اور حالات ایسے ہیں کہ انسان مجبور ہو کر اپنے دل کی بات زبان و قلم پر لے آتا ہے۔

اگر یہی حکومت اللہ کے نبی ﷺ کے اصل دین کی روح کے مطابق عدل، شریعت، حیا، امانت اور اسلامی اقدار کو اپنی ترجیح بنائے تو نورٌ علیٰ نور ہوگا۔ ہم ان کی تعریف بھی کریں گے، ان کے لیے دعا بھی کریں گے اور ان کے مثبت کردار کو سراہیں گے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت اور حرمین شریفین کی نسبت محض دعوے کی حد تک نہ ہو، بلکہ حرمین شریفین کی عظمت، حرمت اور روحانی مقام کا اثر پورے معاشرے میں نمایاں ہو۔

ہم چاہتے ہیں کہ جزیرۂ عرب پوری دنیا میں اسلام کے تعارف، عدل، اخلاق اور ہدایت کا ذریعہ بنے، بدنامی کا نہیں۔ محمد ﷺ کا شہر اور آپ ﷺ سے منسوب یہ سرزمین دنیا کے سامنے اسلام کی خوب صورتی کا آئینہ بنے۔ ایسی حکومت ہو جس کے عدل و انتظام اور خدمتِ حرمین سے دنیا کے دوسرے ممالک بھی سبق حاصل کریں۔

اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ اس سرزمین کو ہمیشہ امن، ایمان، عدل اور ہدایت کا گہوارہ بنائے، حکمرانوں کو اصلاح و ہدایت عطا فرمائے، اور اگر کہیں کوتاہی ہے تو اسے درست کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اللہ مسلم حکومتوں کو متحد ہونے کی توفیق عطا فرمائے، مسلمانوں کو بھی اتحاد و اتفاق نصیب فرمائے، اور ہم سب کو حقیقی معنوں میں قرآن و سنت کا سچا مسلمان بنائے۔ آمین یا رب العالمین۔

اداریہ

Editorial

حرمین شریفین کی حرمت اور تیسری عالمی جنگ کا ہولناک سایہ

ایڈیٹر کے قلم سے۔۔۔۔۔

دوسری عالمی جنگ کے بعد سے دنیا مسلسل اس خوف میں مبتلا رہی ہے کہ بین الاقوامی عدم استحکام کسی دن ایک اور ہمہ گیر عالمی تصادم کو جنم دے گا۔ سالہا سال سے معاشی و جیو پولیٹیکل تجزیہ نگار اور اربابِ قلم جس "تیسری عالمی جنگ" کے امکانی خطرات پر متنبہ کرتے چلے آرہے تھے، موجودہ عالمی صورتِ حال کو دیکھ کر یہ کہنا قطعی غلط نہ ہوگا کہ دنیا اس ہولناک گڑھے کے بالکل دہانے پر پہنچ چکی ہے۔ دوسری جنگِ عظیم کی ہولناکیوں کے بعد "اقوامِ متحدہ" کا قیام اس عزم کے ساتھ عمل میں لایا گیا تھا کہ آنے والی نسلوں کو جنگ کی لعنت سے محفوظ رکھا جائے گا، لیکن آج طاقت کی ہوس، یکطرفہ جارحیت اور مفلوج عالمی اداروں کے باعث بین الاقوامی سلامتی کا پورا ڈھانچہ زمین بوس ہو چکا ہے۔

موجودہ دور میں جنگ کے بادل محض کسی ایک خطے تک محدود نہیں رہے بلکہ طاقت کے دو بڑے محور تیزی سے ایک دوسرے کے بالمقابل آرہے ہیں۔ ایک طرف مغربی بلاک (امریکہ اور نیٹو ممالک) اپنے قائم کردہ یک قطبی عالمی نظام کو برقرار رکھنے کی کوشش میں ہے، تو دوسری طرف روس، چین، ایران اور شمالی کوریا کا ابھرتا ہوا بلاک ایک کثیر القطبی نظام کے لیے زور لگا رہا ہے۔

یورپ کے محاذ پر روس اور یوکرین کے درمیان جاری جنگ ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی، جہاں نیٹو کی بے دریغ عسکری امداد اور فریقین کے سخت رویوں نے سفارت کاری کے تمام راستے بند کر دیے ہیں۔ دوسری جانب مشرقِ وسطیٰ میں صورتِ حال سب سے زیادہ دھماکہ خیز ہے۔ امریکہ کی مکمل پشت پناہی اور سرپرستی میں اسرائیل نے پورے خطے کو آتش فشاں بنا رکھا ہے۔ غصے اور انتقام کی اس آگ نے نہ صرف فلسطین اور لبنان کو خاک و خون میں نہلایا ہے بلکہ ایران، عمان اور دیگر اسلامی ممالک کے ساتھ براہِ راست تصادم کی صورتِ حال پیدا کرکے پورے خطے کے امن کو داؤ پر لگا دیا ہے۔

اس ہمہ گیر کشمکش کے دوران، یمن کے حوثی باغیوں کی جانب سے سعودی عرب پر کیے جانے والے حملوں نے مسلمہ امہ کو شدید غم و غصے اور اضطراب میں مبتلا کر دیا ہے۔ سرزمینِ مقدس اور حرمین شریفین دنیا کے ہر کلمہ گو مسلمان کے ایمان، عقیدت اور وحدت کا مرکز ہیں۔ تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ مسلمان ہر قسم کے معاشی و سیاسی المصائب برداشت کر سکتا ہے، لیکن مقدس شہروں اور حرمین شریفین کی حرمت و سلامتی پر کسی بھی قسم کی آنچ یا حملے کی کوشش پوری اسلامی دنیا کے لیے ناقابلِ برداشت ہے۔ شہرِ مقدس کے تحفظ کے لیے دنیا کے ہر کونے میں بسنے والا مسلمان اپنے جان، مال اور اولاد کو نچھاور کرنے کا جذبۂ بے دروں رکھتا ہے۔ اس لیے کسی بھی فریق کی جانب سے حرمین شریفین کی سلامتی کو خطرے میں ڈالنے کا قدم امت کے جذبات کے ساتھ کھیلنے کے مترادف ہے۔

تیسری عالمی جنگ کا خوف محض روایتی گولہ بارود تک محدود نہیں رہا بلکہ یہ اب "ہائبرڈ وارفیئر" کے جدید اور خطرناک ترین رخ اختیار کر چکا ہے۔ سٹریٹجک ایٹمی معاہدوں کی منسوخی، سائبر حملوں کے ذریعے اہم قومی انفراسٹرکچر کو مفلوج کرنے کی کوششیں اور معاشی پابندیوں کے ہتھیار نے دنیا کو ایک ایسے "توازنِ خوف" میں مبتلا کر دیا ہے جہاں صرف ایک غلط حساب کتاب یا چنگاری پورے کرۂ ارض کو ایٹمی ہولوکاسٹ میں تبدیل کر سکتی ہے — ایک ایسی جنگ جس کا کوئی فاتح نہیں ہوگا۔

یہ نازک ترین وقت تقاضا کرتا ہے کہ عالمِ اسلام کے حکمران زبانی جمع خرچ اور محض مذمتی بیانات کے خول سے باہر نکلیں۔ امتِ مسلمہ کو اپنے تمام تر باہمی اختلافات، مسلکی ترجیحات اور علاقائی رقابتوں کو بالائے طاق رکھ کر ایک مضبوط، مشترکہ دفاعی و معاشی حکمتِ عملی تشکیل دینی ہوگی۔ حرمین شریفین کی سلامتی کا تحفظ، مظلوم مسلمانوں کا دفاع اور عالمی بساط پر ایک توانا اور متفقہ بلاک کے طور پر ابھرنا ہی وہ واحد راستہ ہے جس کے ذریعے مسلم دنیا نہ صرف اپنے وجود اور بقا کو یقینی بنا سکتی ہے، بلکہ عالمی طاقتوں کو تیسری عالمی جنگ کے اس خونی موڑ سے پیچھے ہٹنے پر مجبور کر سکتی ہے۔

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, Rupandehi Lumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +91 8795979383, +977 9817619786, +9779821442810

ہفت روزہ
نیپال اردو ٹائمز
Weekly The
NEPAL URDU TIMES
Reg.No: 5310 -2082/2083 - www.nepalurdutimes.com
سیاسی کالم
۲۴/ستمبر 2026 مطابق ۱۲/ربیع الثانی 1448ھ ۸/گتے اسوج 2083

ہم صرف جہان میں طعام ڈھونڈھ رہے ہیں

مسعود محبوب خان (ممبئی)
۰۹۴۲۲۷۲۴۰۴۰

یہ مصرع محض ایک شعری جملہ نہیں، بلکہ ہمارے اجتماعی رویّوں کے سامنے رکھا ہوا ایک ایسا آئینہ ہے جس میں اگر ہم ذرا ٹھہر کر اپنا چہرہ دیکھیں تو شاید بہت کچھ ایسا نظر آئے جس سے نظریں چرانا آسان نہ ہو۔ یہ سوال صرف دسترخوان کی وسعت، کھانوں کی کثرت یا بازاروں کی رونق کا نہیں؛ اصل سوال یہ ہے کہ ہماری ترجیحات کیا ہیں، ہماری خواہشات کا مرکز کیا ہے اور ہماری اجتماعی زندگی کا مقصد کیا رہ گیا ہے؟ مسلمانوں کی تاریخ میں کھانا کبھی زندگی کا مقصد نہیں رہا۔ رزق اللہ کی نعمت تھا، کھانا جسم کی ضرورت تھی، اور دسترخوان شکر، سخاوت، صلۂ رحمی اور باہمی محبت کا ذریعہ۔ لیکن جب ضرورت خواہش میں، خواہش عادت میں اور عادت زندگی کے مرکزی مقصد میں تبدیل ہو جائے تو انسان کے سامنے ایک بنیادی سوال کھڑا ہو جاتا ہے: کیا ہم ضرورت کے لیے کھا رہے ہیں یا کھانے کے لیے جی رہے ہیں؟

آج کسی بھی بڑے شہر میں چلیے، خصوصاً ان علاقوں میں جہاں مسلم آبادی زیادہ ہے، تو ایک مخصوص معاشرتی منظرنامہ دکھائی دیتا ہے۔ گلی گلی ہوٹل، چائے کے مراکز، فاسٹ فوڈ کے اسٹال، تلی ہوئی اشیا کی دکانیں، مٹھائی کی بھرمار، رنگ برنگے مشروبات، چائنیز اور دیگر فاسٹ فوڈ کے نام پر نت نئے ذائقوں کی یلغار—گویا بازار کا ایک بڑا حصّہ ہمارے معدے کی تسکین کے لیے وقف ہو چکا ہے۔ مسئلہ یہ نہیں کہ ہوٹل کیوں ہیں، مٹھائی کی دکانیں کیوں ہیں یا لوگ اپنی پسند کا کھانا کیوں کھاتے ہیں۔ مسئلہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب معیار، صحت، اعتدال، دیانت اور حلال و حرام کی حدود پسِ پشت چلی جائیں۔ بعض مقامات پر ناقص اور غیر معیاری اجزا، غیر صحت بخش تیل، مضرِ صحت رنگ و کیمیکلز، ملاوٹ شدہ اشیا اور حفظانِ صحت کے اصولوں سے بے اعتنائی کی شکایات سامنے آتی رہتی ہیں۔ کہیں دودھ میں ملاوٹ کا مسئلہ ہے، کہیں ناقص گوشت کا، کہیں غیر معیاری مٹھائیوں کا، اور کہیں بار بار استعمال ہونے والے تیل اور حفظانِ صحت کے ناقص انتظامات کا۔ یہ صرف صحت کا مسئلہ نہیں؛ یہ دیانت، ذمّہ داری اور اخلاق کا مسئلہ بھی ہے۔ ہمیں یہ سوال بھی اپنے آپ سے کرنا ہو گا کہ اگر ایک شخص دوسروں کو ایسی چیز فروخت کرتا ہے جس کے بارے میں وہ خود جانتا ہے کہ وہ صحت کے لیے نقصان دہ ہے، تو کیا صرف اس لیے اس کی ذمّہ داری ختم ہو جاتی ہے کہ خریدار نے اپنی مرضی سے اسے خریدا ہے؟ رزق کمانا عبادت بن سکتا ہے، لیکن رزق کمانے کے نام پر دوسروں کی صحت سے کھیلنا عبادت نہیں بن سکتا۔

ہماری ایک بڑی اجتماعی کمزوری یہ بھی بنتی جا رہی ہے کہ ذائقہ معیار پر غالب آ گیا ہے۔ جس کھانے میں زیادہ تیل، زیادہ نمک، زیادہ شکر اور زیادہ مصالحہ ہو، وہ زیادہ لذیذ سمجھا جاتا ہے۔ ظاہری رنگ، خوشبو اور فوری ذائقہ ہماری ترجیحات بن گئے ہیں؛ اس بات کی فکر کم ہوتی جا رہی ہے کہ اس کھانے کا ہمارے جسم پر طویل مدتی اثر کیا ہو گا۔ بچّوں کے ہاتھ میں گھر کے پھلوں اور سادہ غذاؤں کے بجائے پیکٹ، بوتلیں، تلی ہوئی اشیا اور میٹھے مشروبات زیادہ دکھائی دینے لگے ہیں۔ نوجوانوں کے لیے فاسٹ فوڈ محض کبھی کبھار کی تفریح نہیں رہا، بلکہ روزمرّہ طرزِ زندگی کا حصّہ بنتا جا رہا ہے۔ یہاں سوال کسی خاص کھانے یا کسی خاص قوم کے کھانے کا نہیں۔ سوال غذائی شعور کا ہے۔ چائنیز ہو یا دیسی، مشرقی ہو یا مغربی—جو چیز غیر معیاری، مضرِ صحت یا ملاوٹ شدہ ہے، وہ صرف اس لیے صحت بخش نہیں ہو جاتی کہ اس کا نام خوش نما ہے۔

ہم مسلمان حلال و حرام کے معاملے میں حساس ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، اور یہ حساسیت قابلِ قدر ہے۔ لیکن ہمیں حلال کے تصور کو صرف گوشت کی نوعیت تک محدود نہیں کرنا چاہیے۔ حلال کمائی بھی ضروری ہے، حلال طریقۂ تجارت بھی۔ اگر کسی چیز میں حرام اجزا نہ ہوں لیکن اسے فروخت کرتے ہوئے دھوکا دیا جائے، وزن کم کیا جائے، معیار چھپایا جائے، خراب چیز کو اچھی ظاہر کیا جائے، یا خریدار کی لاعلمی سے فائدہ اٹھایا جائے، تو ہمیں اپنے تجارتی اخلاق پر بھی غور کرنا ہو گا۔ اسلام نے تجارت کو ممنوع نہیں کیا؛ بلکہ دیانت دار تجارت کو عزّت دی۔ مسئلہ بازار کا وجود نہیں، بازار کے اخلاق کا زوال ہے۔

ہمیں یہ سوال بھی کرنا چاہیے: کیا بسیار خوری ہماری زندگی کا حصّہ بن گئی ہے؟ کھانا اللہ کی نعمت ہے، مگر ہر نعمت کا شکر اس کے درست استعمال میں ہے۔ ضرورت سے زیادہ کھانا، مسلسل کھاتے رہنا، محض ذائقے کے پیچھے بھاگنا اور جسم کو ہر وقت مختلف لذتوں کا عادی بنانا بظاہر ایک معمولی بات محسوس ہو سکتی ہے، لیکن یہی عادات رفتہ رفتہ ہماری صحت، توانائی، عبادت، کام اور مجموعی طرزِ زندگی کو متاثر کر سکتی ہیں۔ قرآن مجید نے کھانے پینے کے باب میں ایک نہایت جامع اصول عطا کیا: کھاؤ اور پیو، مگر اسراف نہ کرو۔ غور کیجیے، اسلام نے کھانے سے منع نہیں کیا؛ اسراف سے منع کیا ہے۔ یعنی مسئلہ نعمت سے استفادہ نہیں، بلکہ نعمت میں حد سے تجاوز ہے۔

معاملہ صرف پیسے کا نہیں، وقت کا بھی ہے۔ ہم میں سے کتنے لوگ کھانے کی تلاش میں گھنٹوں صرف کرتے ہیں؟ کہاں کیا نیا مل رہا ہے؟ کس ہوٹل میں کون سی ڈش آئی؟ کس ریسٹورنٹ کی کیا پیش کش ہے؟ کس جگہ کون سا ذائقہ مشہور ہے؟ اگر یہی شوق علم کے لیے ہوتا، کتاب کے لیے ہوتا، تحقیق کے لیے ہوتا، معاشرے کی اصلاح کے لیے ہوتا، مظلوم انسانوں کی مدد کے لیے ہوتا، تو شاید ہماری اجتماعی حالت کچھ اور ہوتی۔ یہاں اصل اعتراض کھانے پر نہیں، ترجیحات کے عدم توازن پر ہے۔ جب ایک قوم کی گفتگو، تفریح، وقت اور پیسہ مسلسل مادی لذتوں کے گرد گھومنے لگے تو اسے اپنے اجتماعی سفر کی سمت پر ضرور غور کرنا چاہیے۔

ایسے ماحول میں علامہ اقبال کے معروف شعر کی یاد آتی ہے۔ ان کی روح سے معذرت کے ساتھ، اگر ہمارے موجودہ طرزِ زندگی پر طنزیہ انداز میں اسے ڈھالیں تو شاید یوں کہا جا سکتا ہے:

حقیقت روایات میں کھو گئی
یہ امت کھانے پینے میں کھو گئی

اقبال جس امت کو خودی، عمل، فکر، کردار، حریت اور مقصدِ زندگی کا شعور دینا چاہتے تھے، وہ امت اگر اپنی توانائی کا بڑا حصّہ محض ذائقوں، آسائشوں اور صارفانہ خواہشات کی تکمیل میں صرف کرنے لگے تو یہ ایک سنجیدہ فکری لمحۂ احتساب ہے۔ مسئلہ یہ نہیں کہ ہم اچھا کھانا کیوں چاہتے ہیں؛ مسئلہ یہ ہے کہ کیا اچھا کھانا ہماری زندگی کی سب سے بڑی خواہش بن گیا ہے؟

اسی وقت دنیا کے مختلف خطوں میں بے شمار مسلمان جنگ، غربت، بے گھری، بھوک اور عدمِ تحفّظ جیسے مسائل سے دوچار ہیں۔ کہیں خاندان اپنے گھر چھوڑنے پر مجبور ہیں، کہیں بچے بنیادی ضروریات کے منتظر ہیں اور کہیں انسانوں کے لیے معمول کی زندگی بھی ایک خواب بن چکی ہے۔ ایسے حالات میں ہمیں اپنے اجتماعی رویّوں کا جائزہ لینا چاہیے۔ کسی ضرورت مند کی مدد کرنے کے بجائے محض نمود و نمائش پر خرچ کرنا، کھانے کی زیادتی کو تفریح بنانا، اور پھر اسی معاشرے میں غریب کے خالی دسترخوان کو نظر انداز کر دینا—یہ تضاد ہمیں بے چین کیوں نہیں کرتا؟ اسلام کا تصورِ دسترخوان صرف اپنے پیٹ تک محدود نہیں۔ اس میں پڑوسی کا حق بھی ہے، مسکین کا حق بھی، یتیم کا حق بھی، مسافر کا حق بھی اور ضرورت مند کا حق بھی۔ ایک مسلمان کا پیٹ بھرنا نعمت ہے، لیکن کسی بھوکے کا پیٹ بھرنا انسانیت اور اخوت کا تقاضا بھی ہے۔

ہمیں کھانے سے نفرت پیدا کرنے کی نہیں، کھانے کے بارے میں شعور پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں ہوٹل بند کرنے کی نہیں، معیار اور دیانت کا مطالبہ کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں ذائقے سے محروم ہونے کی نہیں، اعتدال سیکھنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں تجارت چھوڑنے کی نہیں، تجارت کو اخلاق سے جوڑنے کی ضرورت ہے۔ اور ہمیں نعمتوں سے فرار کی نہیں، نعمتوں کے صحیح استعمال اور شکر کا شعور پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ ہماری مسجدیں آباد ہوں، ہمارے مدارس علم کے مراکز بنیں، ہماری یونیورسٹیاں تحقیق میں آگے بڑھیں، ہماری نوجوان نسل علم، کردار، ہنر اور خدمت میں اپنا مقام پیدا کرے، ہمارے تاجر دیانت کے نمونے بنیں اور ہمارے گھر صحت مند، سادہ اور متوازن طرزِ زندگی اختیار کریں—تب ہماری اجتماعی زندگی میں ایک حقیقی تبدیلی پیدا ہو سکتی ہے۔

آخرکار ہمیں اس بنیادی حقیقت کی طرف واپس آنا ہو گا کہ کھانا زندگی کے لیے ہے، زندگی کھانے کے لیے نہیں۔ انسان صرف جسم نہیں۔ اس کے اندر فکر بھی ہے، روح بھی ہے، ضمیر بھی ہے، ذمّہ داری بھی ہے اور مقصد بھی۔ پیٹ کی ضرورت پوری کرنا ضروری ہے، مگر انسان کی ساری صلاحیت صرف پیٹ کی تسکین پر صرف ہو جائے تو پھر علم، کردار، عبادت، خدمت، عدل، حریت، انسانی ہمدردی اور تعمیرِ معاشرہ کے لیے کیا بچے گا؟ ہمیں اپنے بچّوں کو یہ سکھانا ہو گا کہ اچھا کھانا بری چیز نہیں، مگر کھانے کا غلام بن جانا ضرور ایک مسئلہ ہے۔ ہمیں اپنے تاجروں کو یہ یاد دلانا ہو گا کہ گاہک صرف خریدار نہیں، ایک انسان ہے؛ اس کی صحت بھی امانت ہے۔ ہمیں اپنے معاشرے کو یہ سمجھانا ہو گا کہ رزق صرف وہ نہیں جو ہمارے دسترخوان پر آتا ہے؛ رزق وہ ذمّہ داری بھی ہے جو اللہ نے ہمارے ہاتھ میں دی ہے۔ اور سب سے بڑھ کر ہمیں خود سے پوچھنا ہو گا: کیا ہم واقعی صرف اس لیے دنیا میں آئے ہیں کہ مختلف ذائقے تلاش کرتے رہیں؟ اگر نہیں، تو پھر ہمیں اپنے دسترخوان سے نظریں اٹھا کر اپنے مقصدِ زندگی کی طرف بھی دیکھنا ہو گا۔ کیونکہ قومیں صرف اچھے کھانے سے نہیں بنتیں؛ قومیں اچھے کردار، بلند مقاصد، زندہ ضمیر، علم، عمل اور ایثار سے بنتی ہیں۔ اور شاید آج ہمیں سب سے زیادہ ضرورت اسی بات کی ہے کہ ہم طعام کی تلاش سے آگے بڑھ کر حقیقت کی تلاش شروع کریں۔

غزل

ڈاکٹر ثاقب ہارونی کاٹھمانڈو نیپال

دلوں میں جوش تفاخر امنگ باقی ہے
غرور و ناز تعلی ترنگ باقی ہے

ہر ایک شئ نے تغیر کی تھام لی دامن
ابھی تو سنگِ ہمالہ کا رنگ باقی ہے

قتیل شہر کا چرچا بھی اب نہیں ہوتا
سنا کہ شیشہ و پتھر میں جنگ باقی ہے

صفوں میں دکھتا ہوا انتشار کہتا ہے
ہمارے بیچ میں طورِ فرنگ باقی ہے

چلو یہ بات تمہاری میں مان لیتا ہوں
کہ ڈور کٹ گئی پھر بھی پتنگ باقی ہے

مرے مزاج کی گرمی ہے میری نسلوں میں
جنوں کا طرز طریقہ بھی ڈھنگ باقی ہے

کبھی بھی وقت جو آئے تو کربلا کیلئے
جنون و جوش بھی تاؤ تفنگ باقی ہے

زکاتِ حسن ادا جب کرو خیال رہے
کوئی تو حاملِ کاسہ ملنگ باقی ہے

جسے تلاش ہے سانسوں کی گرم سی چادر
حریم جان میں کوئی نہنگ باقی ہے

گداز بانہوں کا تکیہ نہیں رہا ہے مگر
وہ چارپائی وہ کھٹیا پلنگ باقی ہے

فروض جان کے صیقل کیا کرو ثاقب
سنان و سیف پہ کیونکر یہ زنگ باقی ہے

مصنوعی ذہانت، انسانی کمزوریاں اور ڈیجیٹل دور میں نئی منیپولیشن

تحریر: اشفا اشرف
رکن، مہیلا امداد کمیٹی، لوک بھون، بہار

مصنوعی ذہانت، بالخصوص چیٹ بوٹس اور ذاتی نوعیت کے ڈیجیٹل معاونین، ہماری روزمرہ زندگی کا ایک اہم حصہ بنتے جا رہے ہیں۔ ہم ان سے معلومات حاصل کرتے ہیں، مشورے لیتے ہیں، اپنے مسائل بیان کرتے ہیں اور بعض اوقات ایسی ذاتی معلومات بھی شیئر کر دیتے ہیں جن کا اظہار عام حالات میں کسی دوسرے انسان کے سامنے کرنا مشکل ہوتا ہے۔ یہی سہولت مصنوعی ذہانت کو غیر معمولی طاقت فراہم کرتی ہے۔ تاہم، اس طاقت کے ساتھ ایک اہم سوال بھی پیدا ہوتا ہے: اگر مصنوعی ذہانت ہماری کمزوریوں کو سمجھنے لگے تو کیا اسے ان کمزوریوں کو ہمارے خلاف استعمال کرنے سے روکا جانا چاہیے؟

یہ سوال محض ٹیکنالوجی تک محدود نہیں، بلکہ انسانی آزادی، رازداری، صارف کے حقوق اور اخلاقی ذمہ داری سے بھی گہرا تعلق رکھتا ہے۔ خصوصاً اس وقت جب مصنوعی ذہانت صارف کے الفاظ سے اس کی نفسیاتی کیفیت، ترجیحات، خوف، عدم تحفظ اور معاشی حالات کے بارے میں اندازے لگانے کی صلاحیت رکھتی ہو۔

فرض کیجیے کہ ایک شخص کسی چیٹ بوٹ سے گفتگو کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ اسے ملازمت کے انٹرویو کے باعث شدید پریشانی ہے، وہ اپنی ظاہری شکل و صورت کے بارے میں عدم اعتماد کا شکار ہے اور مالی دباؤ سے بھی گزر رہا ہے۔ اس شخص نے کہیں بھی کسی مصنوعات کی خریداری کا ارادہ ظاہر نہیں کیا؛ اس نے صرف اپنے جذبات اور حالات بیان کیے ہیں۔ لیکن اگر نظام ان معلومات کو محفوظ کر کے یہ نتیجہ اخذ کرے کہ یہ شخص اپنی ظاہری شخصیت کے بارے میں حساس ہے اور مالی مشکلات کے باوجود اپنی ظاہری شکل بہتر بنانے کے لیے خرچ کرنے پر آمادہ ہو سکتا ہے، تو معاملہ محض ”ذاتی نوعیت کی سہولت“ تک محدود نہیں رہتا۔

اب یہی شخص کچھ دن بعد پوچھتا ہے: ”کسی اہم میٹنگ سے پہلے خود کو پُرسکون رکھنے کے لیے کیا کیا جا سکتا ہے؟“

ایک ذمہ دار مصنوعی ذہانت اسے سانس کی مشقیں، مناسب نیند، تیاری، مثبت سوچ اور ذہنی دباؤ کم کرنے کے چند عملی طریقے بتائے گی۔ لیکن اگر وہ اسی جواب میں دانتوں کو سفید کرنے والی مصنوعات، جلد کی دیکھ بھال کے سامان یا کسی مخصوص تجارتی سروس کی سفارش اس بنیاد پر شامل کرے کہ اسے پہلے سے معلوم ہے کہ صارف اپنی ظاہری شکل کے بارے میں عدم تحفظ کا شکار ہے، تو یہ ایک بالکل مختلف صورتِ حال ہو گی۔ یہاں سفارش صارف کے موجودہ سوال سے نہیں بلکہ اس کی ذاتی کمزوری سے پیدا ہوئی ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں پرسنلائزیشن اور منیپولیشن کے درمیان فرق واضح ہونا چاہیے۔

پرسنلائزیشن کا بنیادی مقصد صارف کو زیادہ مفید اور متعلقہ معلومات فراہم کرنا ہے۔ مثال کے طور پر، اگر کوئی شخص مسلسل کتابوں کے بارے میں پوچھتا ہے تو اسے اسی موضوع سے متعلق مزید کتابیں تجویز کرنا ایک عام اور قابلِ فہم عمل ہے۔ لیکن اگر کوئی نظام یہ جان لے کہ ایک شخص اپنی عمر، جسمانی شکل، مالی مشکلات یا سماجی حیثیت کے بارے میں غیر مطمئن ہے، اور پھر انہی جذبات کو خریداری کے فیصلوں پر اثر انداز ہونے کے لیے استعمال کرے، تو یہ محض سہولت فراہم کرنا نہیں بلکہ انسانی نفسیات سے فائدہ اٹھانا ہے۔

یہاں ایک بنیادی اصول سامنے آتا ہے: ہر وہ چیز جو مصنوعی ذہانت جانتی ہے، اسے صارف کے خلاف استعمال کرنے کا حق اسے حاصل نہیں ہو جاتا۔

انسانی گفتگو میں بھی ہم اس فرق کو سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی شخص کسی دوست سے اپنی پریشانی بیان کرے تو دوست کا اخلاقی فرض ہے کہ وہ اس اعتماد کا احترام کرے۔ اگر وہ دوست اسی کمزوری کو بعد میں اپنے فائدے کے لیے استعمال کرے تو ہم اسے دھوکا یا استحصال کہیں گے۔ مصنوعی ذہانت کے معاملے میں یہ مسئلہ اس لیے زیادہ پیچیدہ ہے کہ مشین بیک وقت لاکھوں صارفین کے ساتھ گفتگو کرنے، ان کے رویوں میں پیٹرن تلاش کرنے اور انتہائی باریک سطح پر سفارشات کو تبدیل کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

ڈیجیٹل دنیا میں ”ڈارک پیٹرنز“، یعنی ایسے ڈیزائن اور طریقہ کار، پہلے ہی زیرِ بحث ہیں جو صارف کو اس کے شعوری ارادے کے برخلاف کسی فیصلے کی طرف مائل کرتے ہیں۔ تاہم، مصنوعی ذہانت اس مسئلے کو ایک نئی سطح پر لے جا سکتی ہے۔ روایتی ڈارک پیٹرنز اکثر تمام صارفین کے لیے یکساں ہوتے ہیں، جبکہ AI پر مبنی نظام ہر فرد کے لیے مختلف حکمتِ عملی اختیار کر سکتا ہے۔ مثلاً ایک شخص کو یہ باور کرایا جا سکتا ہے کہ وہ دوسروں سے پیچھے رہ گیا ہے، دوسرے کو اس کے ظاہری حلیے کے بارے میں احساسِ کمتری میں مبتلا کیا جا سکتا ہے، تیسرے کو مالی نقصان کا خوف دلایا جا سکتا ہے اور چوتھے کو تنہائی کے احساس سے متاثر کیا جا سکتا ہے۔ اگر نظام ان جذبات کو پہچان کر تجارتی مفاد کے لیے استعمال کرے تو منیپولیشن انتہائی شخصی اور پوشیدہ شکل اختیار کر لیتی ہے۔

سب سے تشویش ناک پہلو یہ ہے کہ صارف کو شاید معلوم ہی نہ ہو کہ اس کے ساتھ ایسا کیا کیا جا رہا ہے۔ اسے بظاہر ایک دوستانہ، مددگار اور ہمدرد جواب مل رہا ہو گا، لیکن اس جواب کے پیچھے موجود سفارش دراصل اس کے جذباتی پروفائل سے اخذ کی گئی ہو سکتی ہے۔ یوں مصنوعی ذہانت ایک معاون اور مارکیٹنگ ایجنٹ کے درمیان موجود حد کو دھندلا سکتی ہے۔

اس لیے ضروری ہے کہ AI کے ذریعے انسانی کمزوریوں کی شناخت اور ان کے تجارتی استعمال کے درمیان واضح قانونی اور اخلاقی حد مقرر کی جائے۔ صرف یہ کہنا کافی نہیں کہ صارف نے اپنی معلومات خود فراہم کی ہیں۔ رضاکارانہ طور پر کسی بات کا بتا دینا اس امر کی اجازت نہیں دیتا کہ ہر بعد کے فیصلے میں اس معلومات کو اس کے خلاف استعمال کیا جائے۔

ممکنہ ضابطوں میں یہ اصول شامل کیا جا سکتا ہے کہ حساس نفسیاتی یا ذاتی معلومات کو تجارتی ہدف بندی کے لیے استعمال نہ کیا جائے۔ AI نظام پر یہ پابندی ہونی چاہیے کہ وہ صارف کی اضطرابی کیفیت، ظاہری شکل کے بارے میں عدم تحفظ، تنہائی، مالی پریشانی یا دیگر حساس حالات کو کسی مصنوع یا سروس کی فروخت کی بنیاد نہ بنائے۔ اسی طرح صارف کو یہ جاننے کا حق بھی حاصل ہونا چاہیے کہ کسی سفارش کی بنیاد اس کا موجودہ سوال ہے یا اس کی سابقہ گفتگو سے اخذ کردہ ذاتی معلومات۔

شفافیت بھی انتہائی ضروری ہے۔ اگر کوئی سفارش تجارتی مفاد سے متاثر ہے تو اسے واضح طور پر ظاہر کیا جانا چاہیے۔ صارف کو یہ اختیار حاصل ہونا چاہیے کہ وہ اپنی ذاتی گفتگو کو اشتہاری یا تجارتی پروفائلنگ کے لیے استعمال کرنے سے منع کر سکے۔

تاہم، قانون سازی صرف حکومتوں کی ذمہ داری نہیں۔ مصنوعی ذہانت تیار کرنے والی کمپنیوں کو بھی ”اخلاقی ڈیزائن“ کے اصول اپنانا ہوں گے۔ انہیں خود سے یہ سوال کرنا ہو گا کہ کیا ہم کسی صارف کو بہتر فیصلہ کرنے میں مدد دے رہے ہیں یا اس کے جذبات کو استعمال کر کے اسے کسی خاص فیصلے کی طرف دھکیل رہے ہیں؟ یہ فرق بظاہر معمولی معلوم ہو سکتا ہے، لیکن آنے والے برسوں میں یہی فرق مصنوعی ذہانت کے قابلِ اعتماد یا خطرناک ہونے کا تعین کر سکتا ہے۔

مصنوعی ذہانت کی اصل طاقت اس کے پاس موجود معلومات کی مقدار میں نہیں بلکہ ان معلومات سے انسانی رویے کے بارے میں نتائج اخذ کرنے کی صلاحیت میں ہے۔ اگر یہ طاقت ذمہ داری، شفافیت اور انسانی آزادی کے اصولوں کے تابع رہے تو AI انسانوں کے لیے ایک غیر معمولی معاون ثابت ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر یہی طاقت صارف کی پوشیدہ کمزوریوں کو تجارتی فائدے کے لیے استعمال کرنے لگے تو یہ ڈیجیٹل استحصال کی ایک نئی شکل پیدا کر سکتی ہے۔

اس لیے ضروری ہے کہ منیپولیشن کی بروقت شناخت کی جائے اور اسے باقاعدہ طور پر ریگولیٹ کیا جائے۔ مصنوعی ذہانت کی ترقی کی رفتار تیز ہے، جبکہ قانون سازی اور اخلاقی ضابطے عموماً اس کے بعد تشکیل پاتے ہیں۔ اگر ہم نے اس مرحلے پر واضح حدود قائم نہ کیں تو ممکن ہے کہ مستقبل میں صارف اور مشین کے درمیان اعتماد کی وہ لکیر باقی نہ رہے جس پر ایک صحت مند ڈیجیٹل معاشرہ قائم ہو سکتا ہے۔

یہ موقع ہمارے پاس آج موجود ہے۔ تاہم، ٹیکنالوجی جس رفتار سے آگے بڑھ رہی ہے، ضروری نہیں کہ یہ موقع ہمیشہ برقرار رہے۔ AI کے مستقبل کا اصل سوال صرف یہ نہیں کہ مشینیں ہمارے بارے میں کتنا جانیں گی؛ اصل سوال یہ ہے کہ انہیں ہمارے بارے میں حاصل ہونے والی معلومات کے ساتھ کیا کرنے کی اجازت دی جائے گی۔

مقدسات اسلامیہ حوثی ٹارگٹ پر۔۔ آخر کیوں؟۔۔کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

ڈاکٹر طارق صفی الرحمن مبارکپوری
صدر جمعیت فارغین جامعات سعودیہ، ہند

ایک مدت مدید سے حوثی مملکت سعودی عرب کو نشانہ بنائے ہوئے ہیں، اور ایک لمبی مدت سے سعودی عرب اپنے ان چند داخلی عناصر سے فکری اور عملی طور پر نمٹنے کی کوشش کر رہا ہے جو اس کی سرزمین بلکہ پاک ومقدس زمین پر بھی فتنہ وفساد برپا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، آخر وجہ کیا ہے؟ کچھ تو اسباب ہوں گے؟ کوئی تو وجہ ہوگی؟ باقی تمام افکار وعقائد اور نظریات واختلافات سے ہٹ کر آج ہم صرف ان حوثیوں سے متعلق بات رکھیں گے جنھوں نے حالیہ دنوں میں حرمین شریفین، مکہ مکرمہ اور مدینہ نبویہ کو اپنا جنگی ہدف اور ٹارگٹ بنایا۔ تھوڑی سی تمہید کے ساتھ حقائق ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کو ہدایت اور دینِ حق دے کر مبعوث فرمایا تھا؛ مسلمان اس دین حق پر قائم تھے، ایک ایسا دین جو صحیح منقول اور صریح عقل کے موافق تھا۔ عہد صدیقی اور عہد فاروقی مسلمانوں کے داخلی فتنوں سے محفوظ رہا، امیر المؤمنین، خلیفۂ راشد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے داخلی فتنوں کا شکار ہو کر شہید کر دیے گئے اور یہیں سے مسلمانوں کے داخلی فتنوں اور آپسی جنگ وجدال کا سلسلہ شروع ہوا، مسلمانوں کے درمیان صفین کے مقام پر جنگ ہوئی۔ اسی دوران خوارج کا گروہ نکل آیا جس کے بارے میں اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: "مسلمانوں میں اختلاف کے وقت ایک گروہ دین سے نکل جائے گا، اسے ان دونوں گروہوں میں سے وہ گروہ قتل کرے گا جو حق کے زیادہ قریب ہوگا۔" (اسے امام مسلم (۱۰۶۴) نے روایت کیا ہے۔) خوارج کا خروج اس وقت ہوا جب دونوں فریقوں نے حکم مقرر کیے اور لوگ باہمی اتفاق کے بغیر مختلف گروہوں میں بٹ گئے۔

پھر خوارج کی بدعت کے بعد تشیع کی بدعتیں وجود میں آئیں، اور مختلف فرقوں کا ظہور مسلسل ہوتا گیا، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے متعدد احادیث میں اس کی خبر دی ہے۔ ان میں سے ایک حدیث یہ ہے: "یہود اکہتر فرقوں میں بٹ گئے، نصاریٰ بہتر فرقوں میں بٹ گئے، اور میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی۔" (اسے ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ نے روایت کیا ہے۔)

آغاز تشیع اور حوثیت کی بنیاد:

تشیع کا آغاز کوفہ سے ہوا، پھر بعد میں دوسرے علاقوں میں بھی پھیل گیا۔ ان کے انتہائی غالی فرقوں میں سے ایک اثنا عشریہ ہے، اور ان کے اندر بھی متعدد فرقے ہیں۔ ان میں جارودیہ بھی شامل ہیں، جو ابو الجارود زیاد بن منذر الہمدانی الاعمیٰ الکوفی کے پیروکار تھے۔ جارودیہ غالی رافضیوں میں شمار ہوتے ہیں اور موجودہ دور کے حوثی بھی اسی سلسلے کے پیروکار قرار دیے جاتے ہیں، جن کا پیشوا بدر الدین الحوثی ۱۳۴۵ھ میں پیدا ہوا۔ انہوں اس حوثی فرقہ نے اپنے اندر دو گمراہیوں کو یکجا کیا: جارودی مذہب اور اثنا عشری مذہب؛ پھر اس غلو کو خمینی نظریۂ ولایتِ فقیہ کے عقیدے سے مزید مکمل کیا۔

جارودیہ، جو حوثیوں کے اسلاف ہیں، زیدیہ کو کافر قرار دیتے، ان سے دشمنی رکھتے اور ان کے خون اور مال کو حلال سمجھتے تھے؛ کیونکہ اعتقاد، ماخذ، منہج اور سیاست کے اعتبار سے انہوں نے اثنا عشریہ ہی کا راستہ اختیار کیا۔

آج جارودیہ کا وجود تقریباً ختم ہو چکا ہے اور ان میں سے صرف ایک معمولی سا گروہ باقی رہ گیا ہے، جسے حوثی کہا جاتا ہے۔ جب ایران میں "ملاؤں" کی حکومت قائم ہوئی اور انہوں نے اپنے دستور میں رافضی انقلاب کو تمام اسلامی ممالک تک پہنچانے کا مقصد اختیار کیا تو یمن بھی ان کے منصوبوں اور اہداف میں شامل تھا، اور اس مقصد کو انجام دینے کے لیے انہیں حوثیوں کے سوا کوئی دوسرا گروہ مناسب نہ ملا۔

حوثی گروہ کے تین خطرناک عقائد:

حوثی گروہ نے تین خطرناک عقائد کو اپنے جمع کر لیا ہے:

پہلا: جارودی رافضی عقیدہ۔

دوسرا: خمینی نظریۂ ولایتِ فقیہ۔

تیسرا: اثنا عشریہ کا عقیدہ، جو سبئی اور صفوی نظریات کا اعتقادی اور تاریخی تسلسل سمجھا جاتا ہے۔ ان کے عقائد میں یہ باتیں شامل کی جاتی ہیں کہ قرآن میں کمی واقع ہوئی اور اس میں تحریف ہوئی؛ قرآن کے بعد ان کے ائمہ پر آسمانی کتابیں نازل ہوئیں؛ ان کے ائمہ کے اقوال اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے اقوال کی مانند ہیں؛ رسول اللہ ﷺ نے شریعت کا ایک حصہ چھپا کر اسے اپنے ائمہ کے پاس رکھ دیا؛ ان کے ائمہ خطا اور نسیان سے معصوم ہیں اور غیب کا علم رکھتے ہیں؛ اور وہ تمام مسلمانوں، بالخصوص رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اور آپ ﷺ کی اکثر ازواج کو کافر قرار دیتے ہیں۔

ان کے بڑے پیشوا بدر الدین الحوثی نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں اپنے عقیدے کے متعلق کہا: "میں اپنی ذات کی طرف سے ان کی تکفیر کا قائل ہوں۔"

وہ امہات المؤمنین حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما پر زنا کی تہمت بھی لگاتے ہیں۔

حوثی جنگ کے پیچھے کار فرما منصوبہ:

ان کے منصوبے کو ان کے ہاں موجود ولایتِ فقیہ کے عقیدے سے سمجھا جا سکتا ہے اور اسے وہ اپنے نام نہاد عصر ما بعد الظہور یعنی "ظہور کے بعد کے دور" کی تاریخ کو عملی صورت دینے کی بات کرتے ہیں۔ ان کے بعض عقائد کے مطابق ان کے فرضی مہدی کے ظہور کے بعد وہ یہ کام کرے گا:

پہلا عقیدہ: فرضی مہدی ابو بکر، عمر اور عائشہ رضی اللہ عنہم سے انتقام لے گا:

ان کے لیڈران اور علماء کے مطابق امت محمدیہ میں پائی جانے والی تمام برائیوں کی جڑ صحابہ کرام تھے بالخصوص نبی اکرم ﷺ کے تین ابتدائی خلفاء ابو بکر وعمر اور عثمان رضی اللہ عنہم اور کاتب وحی معاویہ رضی اللہ عنہ۔ ان کا لیڈر حسین الحوثی کہتا ہے: "اس امت میں ہونے والی ہر برائی، اس امت پر ہونے والا ہر ظلم اور امت کو پیش آنے والی ہر تکلیف کا ذمہ دار ابو بکر، عمر اور عثمان ہیں؛ خصوصاً عمر، کیونکہ وہ اس پورے عمل کا منصوبہ ساز تھا"۔ وہ یہ بھی کہتا ہے: "معاویہ عمر کی برائیوں میں سے ایک برائی ہے، ابو بکر عمر کی برائیوں میں سے ایک برائی ہے، اور عثمان بھی عمر کی برائیوں میں سے ایک برائی ہے"۔ اور کہتا ہے: "سلف صالح ہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے امت کے ساتھ کھیل کھیلا، انہوں نے امت پر ظلم کی بنیاد رکھی اور امت کو تقسیم کیا"۔

اس طرح کی بکواس اور بے بنیاد باتیں دراصل ان عقائد کا شاخسانہ اور ان حقد وکینہ کا زبانی اظہار ہے جن کا برملا اظہار ان کے بعض علماء نے کیا ہے کہ ان کا منتظر مہدی حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو دوبارہ زندہ کرے گا، پھر انہیں کھجور کے تنے سے سولی دے گا اور ہر روز انہیں ہزار مرتبہ قتل کرے گا۔ ان کا عالم مجلسی نے اپنی کتاب "حق الیقین" میں کہا ہے: "جب مہدی ظاہر ہوگا تو وہ عائشہ کو زندہ کرے گا اور اس پر حد قائم کرے گا۔"

دوسرا عقیدہ: عربوں کو بلا تفریق قتل کرنا:

رافضی شیعہ کتابوں میں عرب کے خلاف بلا تفریق جنگ وجدال اور قتل وغارت گری کی بات کی گئی ہے، عربوں سے دشمنی کا برملا اظہار ہے اور اس سلسلے ائمہء آل بیت کی جانب روایات بھی منسوب کر لی گئی ہیں، چنانچہ رافضی علماء میں سے غالی رافضی عالم نعمانی اپنی کتاب "الغیبۃ" میں جعفر صادق رحمہ اللہ کی طرف منسوب کرتے ہوئے یہ روایت بیان کرتا ہے کہ انہوں نے کہا: "ہمارے اور عربوں کے درمیان اب صرف ذبح باقی رہ گیا ہے۔" اور یہ کہتے ہوئے انہوں نے اپنے ہاتھ سے اپنے گلے کی طرف اشارہ کیا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر ان کا فرضی مہدی عربوں پر اپنی تلوار کیوں چلائے گا؟ انہیں قتل کیوں کرے گا؟ ان کی گردنوں کو تن سے جدا کیوں کرے گا؟ کیا رسول اللہ ﷺ عربی نہیں تھے؟ اور کیا گہوارہ اسلام مکہ ومدینہ عرب کی زمین نہیں ہے؟ کیا حرمین شریفین مقدس ومکرم نہیں ہے؟ کیا علی اور ان کی اولاد عرب نہیں تھے؟ کیا ان کا مبینہ مہدی بھی عربی النسل نہیں ہوگا؟ یا اس لیے کہ ان کے عقیدے کا موجد سبائی تھا؟

ایران کی خمینی حکومت کی عراقی عوام کے خلاف جنگ، جس میں شیعہ اور سنی کے درمیان بھی کوئی امتیاز نہیں رکھا گیا، اس اصول کے نفاذ کی ایک ابتدا قرار دی جاتی ہے، اور وہ اصول عربوں کا عمومی قتل ہے۔ اور عرب ممالک میں ہو رہے صفوی فسادات اور قتل عام کا سبب بھی یہی خونخوار عقیدہ ہے۔

تیسرا عقیدہ: صفا اور مروہ کے درمیان حجاجِ کرام کو قتل کرنا:

رافضی شیعہ کتابوں میں صفا اور مروہ کے درمیان حجاج کرام کو قتل کرنے کا عقیدہ بھی پایا جاتا ہے اور اس سلسلے ائمہء آل بیت میں سے صادق کی جانب جھوٹی روایت منسوب کرتے ہوئے رافضی عالم مجلسی نے اپنی کتاب بحار الانوار میں لکھتا ہے:

"گویا میں حمران بن اعین اور میسر بن عبد العزیز کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ صفا اور مروہ کے درمیان اپنی تلواروں سے لوگوں کو مار رہے ہیں۔"

ولایت فقیہ (یعنی شیعہ فقیہ ان کے امام غائب کا نائب ہے) کا ایجاد کردہ عقیدہ جو رافضیوں کے امام خمینی کا نظریہ تھا، اس نے اپنے اس خواب کو مکہ مکرمہ کے حرم میں عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی۔ چنانچہ اس کے پیروکاروں نے مکہ مکرمہ جیسے مقدس شہر اور حدود حرم جیسی پاک زمین میں اس مجوسی خواب کو عملی جامہ پہنانے کی متعدد کوششیں کیں۔

ایام حج میں حجاج کرام کو قتل کرنے کے لئے تین ذی الحجہ ۱۴۰۶ ہجری کو انہوں نے جدہ کے شاہ عبد العزیز ہوائی اڈے کے ذریعے اکیاون کلو گرام دھماکا خیز مواد اسمگل کرنے کی کوشش کی، مقصد اسے حرمین شریفین اور مقدس مشاعر میں استعمال کرنا تھا۔

پانچ ذی الحجہ ۱۴۰۷ ہجری کو انہوں نے چاقو اٹھا کر جلوس نکالے اور حجاج اور عام شہریوں کو دھکے دیے، جس کے نتیجے میں بدامنی پھیلی اور ۴۰۲ افراد ہلاک ہوئے۔

چھ ذی الحجہ ۱۴۰۹ ہجری کو انہوں نے دو دھماکے کیے؛ پہلا مسجد حرام کی طرف جانے والی سڑکوں میں سے ایک پر، اور دوسرا مسجد حرام کے قریب واقع پل کے اوپر کیا گیا۔

اور قریب کے سالوں میں تقریباً دس سال قبل ۲۶ محرم ۱۴۳۸ ہجری (۲۰۱۷) کو حوثیوں نے مکہ مکرمہ کی جانب ایک بیلسٹک میزائل داغا، لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسے مکہ مکرمہ پہنچنے سے ۶۵ کلومیٹر پہلے فضا ہی میں تباہ کر دیا گیا۔

اور حالیہ دنوں میں پھر یہ مسئلہ عالمی توجہ کا مرکز بنا ہوا۔ سعودی وزارت دفاع کے مطابق ۱۵ ستمبر ۲۰۲۶ کو حوثی ملیشیا کی جانب سے مکہ مکرمہ کی جانب ایک ڈرون بھیجا گیا جسے مکہ مکرمہ کے حدود میں داخل ہونے سے پہلے ہی روک دیا گیا۔ اور فی الحال حرمین شریفین، مکہ مکرمہ ومدینہ نبویہ کو حوثی ٹارگٹ کی وجہ سے ہائی الرٹ کر دیا گیا۔ حرمین شریفین کے ارد گرد حفاظتی انتظامات سخت کر دئے گئے اور کسی بھی قسم کی حوثی کاروائیوں کے لئے فوج کو الرٹ کر دیا گیا۔

چوتھا عقیدہ: مسجد حرام، مسجد نبوی اور حجرۂ نبوی کو منہدم کرنا:

رافضیوں کے مفسدانہ عقائد میں سے جن میں حوثی شیعہ ان کے ہم مشرب وہم عقیدہ ہیں اور جن کی تکمیل کے لئے وہ سعی نامحمود کر رہے ہیں اور حالیہ جنگ اور حرمین شریفین کو ٹارگٹ کرنا اسی فاسد عقیدہ کا ایک حصہ ہے یہ بھی ہے کہ خانہ کعبہ کو ڈھا دیا جائے، مسجد حرام کو ویران کر دیا جائے اور حجرہ عائشہ یعنی حجرہ نبوی کو تہس نہس کر دیا جائے، اس سلسلے میں انہوں نے جعفر صادقؒ کی طرف یہ بات منسوب کی ہے: "قائم مسجد حرام کو منہدم کر دے گا، یہاں تک کہ اسے اس کی بنیادوں تک پہنچا دے گا، اور رسول اللہ ﷺ کی مسجد کو بھی اس کی بنیادوں تک پہنچا دے گا۔" (اس بات کو ان کے شیخ طوسی نے اپنی کتاب الغیبۃ میں روایت کیا ہے۔) اسی طرح ان کے شیخ ابن رستم نے اپنی کتاب دلائل الامامۃ میں یہ بہتان باندھا ہے کہ ان کا مبینہ مہدی کہتا ہے: "اور میں یثرب آؤں گا اور حجرے کو منہدم کر دوں گا۔"

پھر جب ان کا مبینہ مہدی اپنی مخفی جگہ سے نکلنے میں تاخیر کرنے لگا تو ۳۱۷ ہجری کے حج کے موقع پر قرامطہ (شیعوں) نے خانۂ کعبہ کا دروازہ اکھاڑ لیا، غلاف کعبہ کو تار تار کیا، اور تقریباً تیس ہزار حجاج اور اہل بیت اللہ الحرام کو قتل کر کے ان میں سے بیشتر شہداء کی لاشوں کو زمزم کے کنویں میں ڈال کر اسے بند کر دیا۔ انہوں نے حجرِ اسود تک کو اس کے مقام سے اکھاڑ لیا، جو بائیس سال تک ان کے قبضے میں رہا۔ اور پھر ٹکڑوں کی شکل میں اس کے چند حصے مسلمانوں کے حوالہ کئے گئے۔

اب حالیہ عرصہ میں حوثی اس عقیدہ کو عملی جامہ پہنانے کی ناپاک کوشش کر رہے ہیں، یہی وجہ ہے کہ بعض شیعہ ملا اس امید پر قائم ہیں کہ حوثی جماعت ہی ان کے مبینہ مہدی کے ظہور کے لیے راہ ہموار کرنے والی جماعت ہے۔ ایرانی ملا علی الکورانی نے اپنی کتاب عصر الظہور میں لکھتا ہے: "یمن کا اسلامی انقلاب مہدی علیہ السلام کے لیے راہ ہموار کرنے والا ہے، اور یہ تمام انقلابات میں سب سے زیادہ ہدایت یافتہ انقلاب ہے۔"

اور یہی وجہ ہے کہ حوثی فرقے کے ایک پیروکار نے اس فرقے کے سابق سربراہ حسین الحوثی کو مہدیِ منتظر قرار دیا، جو کہ ۲۰۰۴ء میں یمنی فوج کے ساتھ جھڑپوں میں مارا گیا تھا، اس کا کہنا ہے کہ وہ اپنی قبر سے دوبارہ واپس آ کر اپنی جماعت کی قیادت کرے گا۔

دین اور مقدسات دین سے اس فرقہ حوثی کو کتنا لگاؤ ہے اور ان کے دل میں کرنا مساجد وقرآن کا کتنا احترام ہے اس کا اندازہ "المنبر الیمنی" نامی رسالہ کی رپورٹ سے ہوتا ہے، رسالہ شعبان ۱۴۳۸ ہجری کے اپنے پہلے شمارے میں "الحوثیون وانتہاک المساجد" (حوثی اور مساجد کی بے حرمتی) کے عنوان کے تحت لکھتا ہے:

"اسّی سے زیادہ مساجد کو مکمل یا جزوی طور پر تباہ کیا گیا، ایک سو پچاس ائمہ اور خطیبوں کو اغوا کیا گیا، اور قرآن کریم کے سولہ مراکز اور دینی مراکز کو دھماکوں سے اڑا دیا گیا۔"

پانچواں عقیدہ: اسلامی دین کو منسوخ کرنا اور آلِ داؤد کی حکومت قائم کرنا:

ان کے فاسد عقائد میں سے یہ بھی ہے کہ ان کے فرضی مہدی کے لئے راہ ہموار کی جائے تاکہ وہ حرم مکی کے اندر رکن اور مقام ابراہیم کے درمیان بیٹھ کر اسلامی شریعت کو منسوخ کر کے ایک نئی کتاب اور نئے فکر پر بیعت لے۔ رافضی عالم نعمانی اپنی کتاب "الغیبۃ" میں ایک روایت امام محمد بن علی بن الحسینؒ کی طرف منسوب کرتا ہے کہ انہوں نے اپنے مبینہ مہدی کے بارے میں فرمایا: "خدا کی قسم! گویا میں اسے رکن اور مقام کے درمیان دیکھ رہا ہوں کہ وہ لوگوں سے ایک نئی کتاب پر بیعت لے رہا ہے، جو عربوں کے لیے سخت ہوگی۔" بلکہ شیعوں کے شیخ کبیر کلینی نے شیعوں کی مقدس کتاب "الکافی" میں یہ باب قائم کیا ہے: "اس بارے میں باب کہ ائمہ علیہم السلام کے متعلق یہ ہے کہ جب ان کا امر ظاہر ہوگا تو وہ داؤد اور آلِ داؤد کے حکم کے مطابق فیصلہ کریں گے، اور ان سے گواہی طلب نہیں کی جائے گی۔"

یہ ہیں شیعہ عقائد وافکار جن کی روشنی میں ایک سیدھا سادھا مسلمان بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ حوثیوں کے موجودہ جنگ کے پیچھے کیا مقاصد کار فرما ہیں۔ اور وہ کیوں مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، حرمین شریفین اور سعودی اہم تنصیبات ومراکز کو ٹارگٹ بنا رہے ہیں، آتش ولہو کے اس کھیل کے پیچھے کتنے خطرناک ارادے ہیں۔ اے اللہ! تو جس طرح چاہے ہمیں ان کے شر سے محفوظ فرما، حرمین شریفین اور مقدسات اسلامیہ کی حفاظت فرما، اور دشمنوں پر اپنا خاص لشکر روانہ فرما جو ان کے وجود کو صفحۂ ہستی سے مٹا دے اور انہیں نشان عبرت بنا دے۔ آمین۔

سوشل میڈیا کے عہد میں مطالعہ کتب کا بحران اور اس کا حل

از۔مولانا عبید اللہ سبحانی
قصبہ لوہرسن بازار ضلع سنت کبیر نگر

انسانی تہذیب کی تاریخ دراصل کتاب کی تاریخ ہے۔ انسان نے جو کچھ سوچا، جو کچھ دیکھا اور جو کچھ محسوس کیا، اسے محفوظ کرنے کا سب سے معتبر ذریعہ کتاب ہی رہی ہے۔ کتاب صرف اوراق کا مجموعہ نہیں، یہ صدیوں کے تجربات، مشاہدات اور دانش کا نچوڑ ہے۔ یہ انسان کو تنہائی میں مجلس کا ساتھی، الجھن میں رہنما اور جہالت میں روشنی فراہم کرتی ہے۔ لیکن بدقسمتی سے آج ہم ایک ایسے دور میں داخل ہو چکے ہیں جہاں یہ روشنی مدھم پڑتی جا رہی ہے۔ سوشل میڈیا کے ہنگامہ خیز زمانے میں کتاب سے رشتہ کمزور ہی نہیں ہو رہا بلکہ ایک سنگین اور خطرناک صورت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ یہ خطرہ اس لیے بھی زیادہ تشویشناک ہے کہ یہ شور کے ساتھ نہیں آ رہا بلکہ خاموشی کے ساتھ ہماری نسلوں کی فکری بنیادوں کو کھوکھلا کر رہا ہے۔

اگر ہم غور کریں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر ایسا کیوں ہو رہا ہے کہ جس قوم کا پہلا حکم ہی اقرأ یعنی پڑھ کے نام سے نازل ہوا تھا، آج اسی قوم کے نوجوانوں کے ہاتھ سے کتاب چھوٹتی جا رہی ہے۔ اس کی پہلی اور بنیادی وجہ انسانی مزاج میں آنے والی وہ تبدیلی ہے جو سوشل میڈیا نے پیدا کی ہے۔ سوشل میڈیا نے ہمیں فوری تسکین کا عادی بنا دیا ہے۔ ہمیں ہر چند سیکنڈ میں ایک نئی تصویر، ایک نیا جملہ، ایک نیا لطیفہ اور ایک نئی خبر چاہیے۔ ہمارا دماغ اس رنگارنگی کا اس قدر عادی ہو چکا ہے کہ اب وہ کسی ایک خیال پر ٹھہرنے کے لیے تیار ہی نہیں۔ جبکہ کتاب کا مزاج اس کے بالکل برعکس ہے۔ کتاب صبر مانگتی ہے، توجہ مانگتی ہے، یکسوئی مانگتی ہے۔ وہ پہلے صفحے پر اپنا سارا حسن نہیں دکھاتی بلکہ آہستہ آہستہ قاری کو اپنے اندر اتارتی ہے۔ فوری تسکین کے عادی ذہن کے لیے یہ انتظار اذیت بن جاتا ہے اور وہ کتاب کو بورنگ کہہ کر ایک طرف رکھ دیتا ہے۔

دوسری بڑی وجہ توجہ کے ارتکاز کا بحران ہے۔ ماہرین نفسیات اسے فوکس کی موت سے تعبیر کرتے ہیں۔ سوشل میڈیا کی اپلی کیشنز اس طرح ڈیزائن کی گئی ہیں کہ وہ ہمارے دھیان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیں۔ ہم ایک ویڈیو دیکھتے ہوئے بھی نیچے کمنٹس پڑھ رہے ہوتے ہیں اور ساتھ ہی کسی اور پیغام کا جواب بھی دے رہے ہوتے ہیں۔ یہ مسلسل منتشر ذہنی کیفیت ہمیں کسی گہری سوچ کے قابل ہی نہیں چھوڑتی۔ کتاب گہری سوچ کا نام ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ آپ مصنف کے ساتھ ایک طویل سفر پر نکلیں۔ ایک منتشر ذہن اس سفر کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ اسی لیے آج کا نوجوان دو صفحے پڑھنے کے بعد بے چین ہو جاتا ہے اور بے اختیار موبائل کی طرف اس کا ہاتھ بڑھ جاتا ہے۔

تیسری وجہ کتاب کے بارے میں ہمارا بنایا ہوا خوفناک تصور ہے۔ ہم نے دانستہ یا نادانستہ طور پر کتاب کو صرف نصاب، امتحان، نمبروں اور خشک علمی مباحث سے جوڑ دیا ہے۔ ہمارے تعلیمی نظام نے کتاب کو سزا بنا دیا ہے، لطف نہیں۔ بچپن سے ہی بچے کے ذہن میں یہ بات بٹھا دی جاتی ہے کہ کتاب ایک بوجھ ہے جسے امتحان کے لیے اٹھانا ضروری ہے۔ جب وہی بچہ جوان ہو کر سوشل میڈیا کی رنگین دنیا دیکھتا ہے تو اسے لگتا ہے کہ وہ اس بوجھ سے آزاد ہو گیا ہے۔ اسے یہ کوئی نہیں بتاتا کہ نصابی کتابوں کے علاوہ بھی ایک وسیع دنیا ہے۔ کہانیوں کی دنیا، سفرناموں کی دنیا، تاریخ کے حیرت انگیز واقعات کی دنیا، سوانح حیات کی دنیا جو انسان کے دل کو زندہ کر دیتی ہے۔

اس صورتحال کے نتائج انتہائی خطرناک ہیں۔ جب کتاب ہماری زندگی سے نکلتی ہے تو صرف کاغذ کے چند اوراق نہیں نکلتے بلکہ اس کے ساتھ ہماری تنقیدی سوچ بھی رخصت ہو جاتی ہے۔ سوشل میڈیا پر ہر خبر بغیر تحقیق کے آگے بڑھائی جاتی ہے کیونکہ پڑھنے اور پرکھنے کی عادت ختم ہو چکی ہے۔ دوسرا بڑا نقصان زبان اور تہذیب کا ہے۔ کتاب زبان کو خوبصورت بناتی ہے، اسے ادب سکھاتی ہے۔ سوشل میڈیا کی مختصر تحریروں نے ہماری زبان کو بے جان، غلط املا سے بھرپور اور تہذیب سے خالی کر دیا ہے۔ آج کا نوجوان اپنا مافی الضمیر تک ڈھنگ سے بیان نہیں کر پاتا۔ تیسرا اور سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ ہم ایک سطحی نسل میں تبدیل ہوتے جا رہے ہیں۔ ہمیں ہر موضوع پر تھوڑی تھوڑی معلومات تو ہے لیکن کسی ایک موضوع پر گہرا علم نہیں۔ ایسی نسل نہ کوئی بڑا سائنسدان پیدا کر سکتی ہے نہ کوئی عظیم مفکر۔ وہ صرف ہجوم کا حصہ بن سکتی ہے، رہنما نہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ اس خطرناک صورتحال کا سدباب کیسے کیا جائے۔ اس کے لیے شکایت اور ماتم سے کام نہیں چلے گا بلکہ ایک ٹھوس اور ہمہ جہت لائحہ عمل اختیار کرنا ہوگا۔ یہ کام کسی ایک فرد یا ادارے کا نہیں بلکہ پورے معاشرے کا ہے۔

سب سے پہلا کام ہمیں اپنی ذات سے شروع کرنا ہوگا۔ ہمیں اپنے اور سوشل میڈیا کے درمیان ایک حد مقرر کرنی ہوگی۔ اسے ڈیجیٹل نظم وضبط کہا جا سکتا ہے۔ دن میں کم از کم ایک گھنٹہ ایسا ضرور ہونا چاہیے جب موبائل فون بند ہو یا دوسرے کمرے میں ہو اور وہ وقت صرف کتاب کے لیے وقف ہو۔ شروع میں یہ بہت مشکل لگے گا۔ ذہن بھٹکے گا۔ دل چاہے گا کہ موبائل چیک کر لیا جائے۔ لیکن یہی وہ جنگ ہے جو جیتنی ہے۔ مطالعے کی عادت کو عبادت کی طرح اپنانا ہوگا۔ اس کے لیے بڑے اہداف مقرر کرنے کی ضرورت نہیں۔ روزانہ پچاس صفحات پڑھنے کا ہدف ایک نئے قاری کو توڑ دیتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ روزانہ صرف پندرہ منٹ پڑھنے کا عہد کیا جائے۔ پندرہ منٹ بہت چھوٹا وقت ہے لیکن مستقل مزاجی سے یہی پندرہ منٹ ایک سال میں بیس سے پچیس کتابوں کے برابر ہو جاتے ہیں۔ کتاب کے انتخاب میں بھی حکمت کی ضرورت ہے۔ جو شخص سالوں سے کتاب سے دور رہا ہو، اسے اگر ہم فلسفہ کی کوئی ضخیم کتاب تھما دیں گے تو وہ ہمیشہ کے لیے کتاب سے بدظن ہو جائے گا۔ اسے ایسی کتابوں سے شروع کروانا چاہیے جو دلچسپ ہوں اور آسانی سے سمجھ میں آ جائیں۔ اچھے ناول، بہترین سفرنامے، بزرگوں کی سوانح حیات، اخلاقی کہانیاں، یہ وہ کتابیں ہیں جو انسان کو کتاب سے جوڑتی ہیں۔ جب ایک بار ذوق بن جائے تو پھر انسان خود ہی سنجیدہ کتابوں کی طرف چلا جاتا ہے۔

دوسرا محاذ ہمارا گھر ہے۔ گھر کسی بھی عادت کی پہلی درسگاہ ہوتا ہے۔ اگر گھر کے بڑے خود ہر وقت موبائل اسکرینوں میں گم رہیں گے تو بچے سے یہ توقع رکھنا کہ وہ کتاب پڑھے گا، سراسر خام خیالی ہے۔ بچے نصیحت سے نہیں، عمل سے سیکھتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ گھروں میں کتاب کی واپسی ہو۔ ہر گھر میں ایک چھوٹی سی لائبریری ضرور ہو، چاہے وہ ایک الماری کے ایک خانے پر ہی کیوں نہ مشتمل ہو۔ والدین کو چاہیے کہ روزانہ کچھ دیر اپنے بچوں کے سامنے کتاب پڑھیں۔ رات کو سونے سے پہلے بچوں کو موبائل پر کارٹون دکھانے کے بجائے کوئی کہانی کتاب سے پڑھ کر سنائیں۔ یہ چھوٹے چھوٹے عمل بچے کے لاشعور میں کتاب کی محبت بٹھا دیتے ہیں۔

تیسرا اہم میدان ہمارا تعلیمی نظام اور سماجی حلقے ہیں۔ ہمارے اسکولوں اور کالجوں کو اپنا کردار بدلنا ہوگا۔ وہاں طلبہ سے صرف خلاصے اور مرکزی خیالات لکھوانے کے بجائے کتاب پر کھلی بحث کروانی چاہیے۔ ہر ہفتے ایک کتاب پر تبادلہ خیال کی نشست ہونی چاہیے جہاں طالب علم کو یہ آزادی ہو کہ وہ مصنف سے اختلاف بھی کر سکے۔ جب طالب علم یہ محسوس کرے گا کہ اس کی رائے کی قدر کی جا رہی ہے تو اس کا کتاب سے زندہ تعلق قائم ہوگا۔ اسی طرح ہمارے محلوں، مساجد اور کالجوں میں دوبارہ مطالعاتی حلقے قائم کرنے کی ضرورت ہے۔ پہلے زمانے میں چائے خانوں اور مسجدوں کے حجروں میں کتابوں پر گفتگو ہوا کرتی تھی، بزرگ نوجوانوں کو اپنے تجربات سنایا کرتے تھے اور علم سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا تھا۔ آج ضرورت ہے کہ اسی روایت کو نئے انداز میں زندہ کیا جائے۔ ہر محلے میں، ہر کالج میں، ہر مسجد کے احاطے میں ہفتہ وار بیٹھک ہو جہاں ایک کتاب کا تعارف پیش کیا جائے، اس پر بات ہو اور لوگوں کو پڑھنے کی ترغیب دی جائے۔

چوتھی اور آخری بات جو سب سے اہم ہے وہ یہ ہے کہ ہم سوشل میڈیا کو اپنا دشمن سمجھنا چھوڑ دیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ سوشل میڈیا اب ہماری زندگی سے نکلنے والا نہیں۔ اس سے لڑنے کے بجائے اسے استعمال کرنا زیادہ عقلمندی ہے۔ ہمیں اسی ہتھیار سے اسی کا مقابلہ کرنا ہوگا۔ آج اگر نوجوان سوشل میڈیا پر ہے تو مصنفین، اساتذہ اور پبلشرز کو بھی وہیں آنا ہوگا۔ اچھی کتابوں کے مختصر، خوبصورت اور دل کو چھو لینے والے دو منٹ کے ویڈیو تعارف بنائے جائیں۔ انسٹاگرام اور فیس بک پر کتابوں کے اقتباسات کو خوبصورت ڈیزائن کے ساتھ پیش کیا جائے۔ واٹس ایپ پر کتاب دوستوں کے گروپ بنائے جائیں جہاں روزانہ ایک صفحے کا نچوڑ بھیجا جائے۔ گڈ ریڈز جیسی اپلی کیشنز پر اپنے مطالعے کا ریکارڈ رکھا جائے تاکہ ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کا جذبہ پیدا ہو۔ جب کتاب اسی زبان میں، اسی اسکرین پر نظر آئے گی جس کے ہم عادی ہو چکے ہیں تو دھیرے دھیرے اسکرین سے کتاب تک کا فاصلہ کم ہونا شروع ہو جائے گا۔

آخر میں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ کتاب کا بحران دراصل انسان کے اپنے آپ سے دور ہونے کا بحران ہے۔ سوشل میڈیا ہمیں باہر کی دنیا سے تو جوڑتا ہے لیکن اپنے اندر کی دنیا سے کاٹ دیتا ہے۔ کتاب اسی اندر کی دنیا کو آباد کرتی ہے۔ وہ ہمیں شور میں تنہا ہونا سکھاتی ہے اور ہجوم میں اپنا راستہ خود تلاش کرنا سکھاتی ہے۔ اس لیے اس جنگ کو کسی سرکاری حکم نامے سے نہیں جیتا جا سکتا۔ یہ جنگ ہر فرد کو اپنے نفس کے خلاف لڑنی ہے۔ ہمیں فیصلہ کرنا ہوگا کہ ہم صرف معلومات کے بوجھ تلے دبے رہنا چاہتے ہیں یا علم کی روشنی میں جینا چاہتے ہیں۔ جس دن ہم نے پندرہ منٹ کی اسکرولنگ کو پندرہ منٹ کے مطالعے سے بدل دیا، اسی دن سے اس خطرناک صورتحال کا سدباب شروع ہو جائے گا۔

دماغی پنجرہ

از قلم: ام ماریہ حق (دہلی)

انسان کے لیے سب سے مضبوط قید خانہ وہ نہیں جس کی دیواریں اینٹوں اور پتھروں سے بنی ہوں، بلکہ وہ ہے جو خاموشی سے اس کے اپنے ذہن کے اندر تعمیر ہو جائے۔ ایسا قید خانہ جس کی نہ کوئی نظر آنے والی دیوار ہوتی ہے، نہ لوہے کی سلاخیں، نہ پہرے دار؛ پھر بھی انسان اس سے باہر نکلنے کی ہمت نہیں کر پاتا۔ اسے ہم دماغی پنجرہ کہہ سکتے ہیں۔ دماغی پنجرہ دراصل وہ کیفیت ہے جہاں انسان کے پاس سوچنے کی صلاحیت تو موجود ہوتی ہے، مگر وہ آزادانہ سوچنے سے خوفزدہ ہونے لگتا ہے۔ اسے وہی سچ دکھائی دیتا ہے جو اسے برسوں سے بتایا گیا ہو، وہی راستہ درست محسوس ہوتا ہے جس پر ہجوم چل رہا ہو، اور ہر مختلف خیال اسے بغاوت، خطرے یا گمراہی کی علامت دکھائی دینے لگتا ہے۔

یہ پنجرہ ایک دن میں تعمیر نہیں ہوتا۔ کبھی خاندان کا کوئی جملہ اس کی پہلی اینٹ بنتا ہے، کبھی معاشرے کا کوئی خوف، کبھی ناکامی کا ایک تلخ تجربہ اور کبھی لوگوں کی بے جا تنقید اس کی دیوار بلند کر دیتی ہے۔

کوئی کہتا ہے: "یہ تم سے نہیں ہو گا۔"

"کوئی کہتا ہے: "لوگ کیا کہیں گے؟"

ہم بار بار یہ سن کر آخر کار اسے اپنی حقیقت سمجھ لیتے ہیں اور ہم دوسروں کی زبان کے خوف سے اپنی خواہشوں، خوابوں اور صلاحیتوں کے دروازے بند کر لیتے ہیں۔ پھر ایک وقت آتا ہے جب ہمیں احساس بھی نہیں ہوتا کہ ہم نے اپنی زندگی کے فیصلے کب اپنے ہاتھوں سے نکال کر معاشرے کے حوالے کر دیے۔ سب سے عجیب بات یہ ہے کہ دماغی پنجرے کی سلاخیں دکھائی نہیں دیتیں۔

انسان بظاہر آزاد ہوتا ہے؛ وہ چلتا پھرتا ہے، اپنی مرضی سے بات کرتا ہے، فیصلے کرتا ہے، مگر اندر کہیں ایک خوف اسے مسلسل روکے رکھتا ہے۔ وہ نئے سوال سے گھبراتا ہے، مختلف راستوں سے ڈرتا ہے اور اپنے ہی بنائے ہوئے یقینی سے باہر نکلنے کو خطرہ سمجھتا ہے۔ کبھی کبھی ہماری اپنی سوچ بھی ہمارے خلاف کھڑی ہو جاتی ہے۔ ہم ماضی کے کسی واقعے کو مستقبل کا فیصلہ بنا لیتے ہیں۔ ایک ناکامی کو اپنی پوری زندگی کی شکست سمجھ لیتے ہیں۔ کسی کی رائے کو اپنی حقیقت مان لیتے ہیں اور اپنے بارے میں وہی سوچنے لگتے ہیں جو دوسروں نے ہمارے لیے طے کر دیا ہوتا ہے۔ یوں انسان دنیا سے نہیں، اپنے ہی خیالات سے شکست کھانے لگتا ہے۔

مگر ہر پنجرے کی طرح دماغی پنجرے کا بھی ایک دروازہ ہوتا ہے، اور اس دروازے تک پہنچنے کا پہلا راستہ سوال ہے۔ سوال کرنا ہمیشہ بغاوت نہیں ہوتا، کبھی کبھی سوال کرنا حقیقت تک پہنچنے کی پہلی سیڑھی ہوتی ہے اسی لیے۔

اپنے یقینی سے سوال کیجیے۔

اپنے خوف سے سوال کیجیے۔

اپنی سوچ سے سوال کیجیے۔

ان روایتوں سے سوال کیجیے جنہیں آپ نے شاید کبھی سمجھا ہی نہیں، صرف اس لیے سچ مان لیا کہ سب انہیں سچ کہتے آئے ہیں۔ ضروری نہیں کہ ہر سوال کا جواب فوراً مل جائے۔ بعض اوقات ایک سچا سوال ہی ذہن کی مضبوط دیوار میں پہلی دراڑ ڈال دیتا ہے۔ اور جہاں دراڑ پیدا ہو جائے، وہاں روشنی کے داخل ہونے کا امکان بھی پیدا ہو جاتا ہے۔

لیکن آزاد ذہن کا مطلب یہ بھی نہیں کہ انسان ہر بات سے اختلاف کرے یا ہر روایت کو محض روایت ہونے کی وجہ سے رد کر دے۔ حقیقی آزادی تو یہ ہے کہ انسان سمجھے، پرکھے، غور کرے اور پھر اپنی عقل و شعور سے فیصلہ کرے۔

آزاد ذہن وہ ہے جو اختلاف سن سکے، سوال برداشت کر سکے، اپنی رائے پر نظر ثانی کر سکے اور یہ تسلیم کرنے کا حوصلہ رکھے کہ ممکن ہے جو کچھ وہ آج درست سمجھ رہا ہے، کل اسے زیادہ گہری سمجھ کے بعد بدلنا پڑھ سکتا ہے۔ کیونکہ ذہنی آزادی کا سفر دوسروں کو غلط ثابت کرنے سے نہیں، اپنے اندر کی قید کو پہچاننے سے شروع ہوتا ہے۔

پنجرہ باہر ہو تو دروازہ کوئی اور کھول سکتا ہے، مگر جب پنجرہ ذہن کے اندر تعمیر ہو جائے تو اس کی چابی بھی ہمیں خود ہی تلاش کرنی پڑتی ہے۔ اس لیے آج خود سے ایک دیانت دارانہ حساب لیجیے۔ کاغذ پر لکھیں: کون سا خوف آپ کو روک رہا ہے؟ کون سا یقین آپ نے بغیر پرکھے قبول کر رکھا ہے؟ کون سی خواہش صرف اس لیے دفن ہے کہ آپ کو لوگوں کے فیصلے کا ڈر ہے؟ پھر ہر جواب کے سامنے ایک چھوٹا سا عملی قدم طے کیجیے—ایک سوال پوچھیے، ایک کتاب پڑھیے، ایک گفتگو کیجیے، یا وہ پہلا قدم اٹھائیے جسے آپ مدت سے ٹالتے آئے ہیں۔ یاد رکھیے، آزادی ہمیشہ شور کے ساتھ نہیں آتی، کبھی وہ خاموشی میں لیے گئے ایک سچے فیصلے سے جنم لے سکتی ہے۔ آپ کو اپنے ذہن کی ہر سلاخ ایک ہی دن میں نہیں توڑنی، مگر پہلی سلاخ کو پہچاننا اور اسے توڑنا آپ کے اختیار میں ہے۔

شاید آزادی کا پہلا قدم یہی ہے کہ ہم ایک لمحے کے لیے رکیں، اپنے اندر جھانکیں اور خود سے پوچھیں: کیا میں واقعی آزاد ہوں؟ یا صرف اپنے ہی خیالات کے پنجرے میں قید ہوں؟

اور اگر جواب آپ کو بے چین کر دے تو اسے دبایئے نہیں۔ ممکن ہے یہی بے چینی دروازے کے دوسری طرف سے آنے والی روشنی کی پہلی کرن ہو۔ فیصلہ آج کیجیے اپنی زندگی کا اگلا قدم خوف کے کہنے پر نہیں، شعور کے کہنے پر اٹھائیں۔ کیونکہ پنجرہ چاہے کتنا ہی پرانا ہو، جس دن انسان اپنی قید کو پہچان لیتا ہے، اسی دن آزادی کا سفر شروع ہو جاتا ہے۔

ڈاکٹر انوار احمد خان بغدادی مختصر تعارف

مزمل حسین علیمی آسامی

ڈاکٹر بغدادی صاحب قبلہ اہل سنت و جماعت کے اعلیٰ ترین اسلامک اسکالر ہیں۔ آپ "جامعة صدام للعلوم الاسلامیة بغداد یونیورسٹی" سے تعلیم یافتہ ہیں۔ عالمی مبلغ و داعی ہیں۔ تبلیغ دین کے سلسلے میں مختلف ممالک کے دورے بھی کر چکے ہیں۔ آپ گزشتہ ۲۳ سالوں سے درس و تدریس سے وابستہ ہیں۔

قلم و قرطاس کی دنیا میں آپ کی ایک الگ ہی پہچان ہے۔ عجمی ہونے کے باوجود عربی زبان پر مکمل دسترس اور اس کے حوالے سے نمایاں خدمات باعث افتخار ہیں۔

آپ تقریباً ۵۰ کتابوں کے مصنف ہیں۔ زمانہ طالبِ علمی ہی سے آپ عربی اور مختلف زبانوں میں علمی اور تحقیقی مضامین تحریر کرتے آرہے ہیں۔ آپ کے مضامین مختلف اخبارات میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔

"المشاهد" عربی رسالہ آپ ہی کے زیر سرپرستی شائع ہو رہا ہے، جس سے ہزاروں لوگ مستفید ہو رہے ہیں۔ "فروغ رضویات" میں عربی زبان میں حضرت کی خدمات بے مثال ہیں اور شاید ہی اب تک علمائے ہند میں کسی اہل قلم نے اس جہت میں اتنا نمایاں کام کیا ہو۔

ہند کی شہرت یافتہ اور اہل سنت و جماعت کی دوسری سب سے بڑی دینی درس گاہ "دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی" بستی میں تقریباً ۱۵ سالوں تک بحیثیت مدرس و پرنسپل (آپ علیمیہ نسواں کے بھی پرنسپل رہے ہیں) خدمات انجام دے چکے ہیں۔

"دارالعلوم غوث اعظم پور بندر، گجرات" میں بھی منصبِ صدارت پر فائز رہ چکے ہیں۔ آپ "جامعہ حضرت نظام الدین دہلی" کے ڈائریکٹر رہے ہیں۔

۲۰۲۲ تا ہنوز آپ "بلغار اسلامک اکیڈمی روس" میں علوم اسلامیہ کے پروفیسر ہیں۔ آپ کی فکر سے ہزاروں طلبہ روشن مستقبل حاصل کر چکے ہیں۔ مختلف شعبہ جات میں مہارت تامہ کے حامل ہیں۔ مختلف تنظیموں کے ساتھ مل کر ملی و سماجی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ بہترین معاشرے کی تشکیل کے لیے ہمہ وقت کوشاں نظر آتے ہیں۔ مختلف یونیورسٹیز، مدارس اور اسکولوں میں آپ کو لیکچرز دینے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت کی خدمات کو قبول فرمائے۔ اور آپ کا سایہ ہمایوں جماعت اہلِ سنت پر تا دیر قائم فرمائے۔ آمین۔۔۔

Muzammil Hussain Alimi

مسلمان خواتین اور سوشل میڈیا کا استعمال

از قلم: عالمہ فاضلہ سائرہ فاطمہ جامعی
جنکپور نیپال

آج کا زمانہ جدید ذرائعِ ابلاغ اور سوشل میڈیا کا زمانہ ہے۔ موبائل فون اور انٹرنیٹ نے انسان کو ایک دوسرے سے بہت قریب کر دیا ہے۔ چند لمحوں میں کوئی خبر، تصویر، ویڈیو یا پیغام دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک پہنچ جاتا ہے۔ سوشل میڈیا اگر صحیح مقصد کے لیے استعمال کیا جائے تو علم، تعلیم، دعوتِ دین اور جائز ضروریات پوری کرنے کا مفید ذریعہ بن سکتا ہے، لیکن غلط استعمال انسان کے وقت، حیا، اخلاق اور دین کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔

اسلام نے ہمیں زندگی کے ہر معاملے میں اعتدال اور پاکیزگی کی تعلیم دی ہے۔ مسلمان عورت کے لیے سوشل میڈیا استعمال کرنے میں بھی حیا، پردہ، شرعی حدود اور وقت کی حفاظت ضروری ہے۔

حیا مسلمان عورت کا زیور ہے

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں ارشاد فرماتا ہے:

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا

ترجمہ: اور مسلمان عورتوں سے فرما دیجیے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اپنی عصمت کی حفاظت کریں اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر جو خود ظاہر ہو جائے۔

(سورۃ النور: ۳۱)

اس آیت کی روشنی میں مسلمان عورت کو سوشل میڈیا پر بھی اپنی حیا اور پردے کا خیال رکھنا چاہیے۔ اپنی تصاویر، زینت اور نجی زندگی کو غیر ضروری طور پر عام کرنے سے احتیاط کرنی چاہیے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الحياء شعبة من الإيمان

ترجمہ: حیا ایمان کی ایک شاخ ہے۔
(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

لہٰذا سوشل میڈیا کے زمانے میں حیا کی حفاظت پہلے سے زیادہ ضروری ہے۔

غیر محرم سے گفتگو میں احتیاط

سوشل میڈیا پر اجنبی لوگوں سے بات چیت کرنا بہت آسان ہے۔ مسلمان عورت کو چاہیے کہ غیر محرم مردوں سے صرف جائز ضرورت کے مطابق گفتگو کرے اور گفتگو میں بے تکلفی، نرم لہجہ اور ایسی باتوں سے بچے جو فتنے کا سبب بن سکتی ہوں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ

ترجمہ: پس تم بات میں ایسی نرمی نہ کرو کہ جس کے دل میں بیماری ہے وہ لالچ کرے۔

(سورۃ الاحزاب: ۳۲)

یہ حکم ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو دیا گیا، اور اس میں مسلمان عورتوں کے لیے بھی حیا اور گفتگو کے آداب کی رہنمائی ہے۔

غیبت اور بدگمانی سے بچیں

سوشل میڈیا پر کسی کی برائی کرنا، اس کے عیب بیان کرنا، مذاق اڑانا یا اس کے بارے میں ایسی بات پھیلانا جو اسے ناپسند ہو، غیبت یا دوسرے گناہوں کا سبب بن سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا

ترجمہ: اور تم میں سے کوئی دوسرے کی غیبت نہ کرے۔ (سورۃ الحجرات: ۱۲)

اس لیے کسی کی پوسٹ یا تصویر دیکھ کر اس کے بارے میں دوسروں سے منفی گفتگو کرنے سے بچنا چاہیے۔

ہر خبر آگے نہ بھیجیں

واٹس ایپ اور دیگر ذرائع پر بہت سی ایسی باتیں گردش کرتی رہتی ہیں جن کی حقیقت معلوم نہیں ہوتی۔ مسلمان عورت کو چاہیے کہ کسی خبر کو بغیر تحقیق کے آگے نہ بھیجے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا ترجمہ: اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کر لیا کرو۔ (سورۃ الحجرات: ٦)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

كَفَى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ

ترجمہ: آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات بیان کرتا پھرے۔

(صحیح مسلم، مقدمہ) اس لیے ہر پیغام کو فوراً فارورڈ کرنا نیکی نہیں؛ پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ بات صحیح بھی ہے یا نہیں۔

وقت کی حفاظت

سوشل میڈیا کا سب سے بڑا نقصان وقت کا ضائع ہونا بھی ہو سکتا ہے۔ انسان چند منٹ کے لیے موبائل کھولتا ہے اور گھنٹوں گزر جاتے ہیں۔ مسلمان عورت کو اپنے وقت کا حساب رکھنا چاہیے، کیونکہ وقت زندگی کا قیمتی سرمایہ ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَالْعَصْرِ ○ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ ترجمہ: زمانے کی قسم! بے شک انسان خسارے میں ہے۔ (سورۃ العصر: ۱-۲)

اس لیے موبائل استعمال کرتے وقت نماز، قرآن، گھر کی ذمہ داریوں، تعلیم اور ضروری کاموں کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔

سوشل میڈیا کو نیکی کا ذریعہ بنائیں

سوشل میڈیا صرف تفریح کے لیے نہیں۔ مسلمان خواتین اسے دینی اور علمی فائدے کے لیے بھی استعمال کر سکتی ہیں۔ قرآنِ کریم کی آیات، صحیح احادیث، اسلامی تعلیمات، مفید علمی معلومات اور اچھی نصیحتیں دوسروں تک پہنچائی جا سکتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ

ترجمہ: اور نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔ (سورۃ المائدہ: ۲)

لیکن دینی مواد شیئر کرتے وقت بھی تحقیق ضروری ہے۔ ہر خوبصورت عبارت حدیث نہیں ہوتی اور ہر مشہور واقعہ مستند نہیں ہوتا۔

دکھاوے اور مقابلے سے بچیں

سوشل میڈیا پر بعض لوگ اپنی زندگی کی خوبصورت چیزیں دوسروں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اس سے کبھی کبھی دیکھنے والے کے دل میں حسرت، حسد یا احساسِ محرومی پیدا ہو سکتا ہے۔ مسلمان عورت کو چاہیے کہ اپنی زندگی کو دوسروں کی زندگی سے مسلسل نہ ملائے اور اپنی نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ترجمہ: اور اس چیز کی آرزو نہ کرو جس کے ذریعے اللہ نے تم میں بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ (سورۃ النساء: ۳۲)

مسلمان عورت کے لیے چند عملی اصول

سوشل میڈیا استعمال کرتے وقت چند باتیں ہمیشہ یاد رکھنی چاہئیں: نماز کے اوقات میں موبائل کو ترجیح نہ دیں۔ - غیر ضروری طور پر اپنی تصاویر اور ذاتی معلومات عام نہ کریں۔ - غیر محرم سے غیر ضروری گفتگو سے بچیں۔ - غیبت، جھوٹ، مذاق اڑانے اور بدگمانی سے بچیں۔ - غیر شرعی اور بے حیائی والے مواد سے اپنی نگاہوں کی حفاظت کریں۔ - بغیر تحقیق کے کوئی دینی یا عام خبر آگے نہ بھیجیں۔ - سوشل میڈیا پر اپنا قیمتی وقت ضائع نہ کریں۔ - دینی مواد شیئر کریں تو مستند ذریعہ دیکھ کر کریں۔ - گھر والوں، تعلیم اور دوسری ذمہ داریوں کو نظر انداز نہ کریں۔ - یاد رکھیں کہ جو کچھ ہم لکھتے، بولتے اور شیئر کرتے ہیں، اس کی بھی ذمہ داری ہے۔

اختتامیہ

سوشل میڈیا ایک ذریعہ ہے، مقصدِ زندگی نہیں۔ ایک مسلمان عورت کے ہاتھ میں موبائل ہو تو اس کے ذریعے خیر بھی پھیل سکتی ہے اور شر بھی۔ فیصلہ اس بات سے ہو گا کہ وہ اسے کس طرح استعمال کرتی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ موبائل کو اپنی آنکھوں، دل، وقت اور ایمان پر حاوی نہ ہونے دیں۔ اسے علم حاصل کرنے، جائز ضرورت پوری کرنے، رشتہ داروں سے صلہ رحمی رکھنے اور نیکی کی بات پہنچانے کے لیے استعمال کریں، جبکہ حیا، پردہ اور اسلامی آداب کی ہمیشہ حفاظت کریں۔

اللہ تعالیٰ ہماری مسلمان ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کو حیا و پاکیزگی عطا فرمائے، سوشل میڈیا کے غلط استعمال سے محفوظ رکھے، ہمارے وقت میں برکت عطا فرمائے

بارہمولہ کا یاسین ملک: ایک دیا اور سو طوفان

تحریر: تسلیمہ اختر

کشمیر کی سرزمین ہمیشہ ایسے لوگوں کو جنم دیتی رہی ہے جو اندھیروں میں روشنی بن کر ابھرتے ہیں۔ انہی شخصیات میں ایک نام انجینئر ملک یاسین حسن کا بھی ہے، جو بارہمولہ کی سرزمین سے اُٹھا ایک ایسا چراغ ہے جس نے اپنی محنت، علم اور خدمت کے جذبے سے معاشرے میں امید کی روشنی پھیلانے کی کوشش کی۔ واقعی کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو خود تو ایک چھوٹا سا دیا ہوتے ہیں مگر ان کی روشنی سینکڑوں طوفانوں کا مقابلہ کرنے کی طاقت رکھتی ہے۔

سادہ گھرانے سے انجینئر تک کا سفر

بارہمولہ کے ایک سادہ اور محنتی گھرانے میں پیدا ہونے والے ملک یاسین حسن کا بچپن عام بچوں کی طرح ہی تھا، مگر اس کے خواب عام نہیں تھے۔ بچپن ہی سے اس کے اندر کچھ مختلف کرنے کی تڑپ موجود تھی۔ وہ جانتا تھا کہ زندگی صرف اپنے لیے جینے کا نام نہیں بلکہ دوسروں کے لیے آسانیاں پیدا کرنے کا بھی نام ہے۔ اسی سوچ نے اسے شروع سے ہی تعلیم کی طرف سنجیدہ اور محنتی بنا دیا۔

اس نے اپنی ابتدائی تعلیم مقامی اسکولوں سے حاصل کی۔ حالات آسان نہیں تھے، وسائل محدود تھے مگر حوصلہ بلند تھا۔ اسی یقین کے ساتھ اس نے تعلیم کا سفر جاری رکھا اور آگے بڑھتے ہوئے انجینئرنگ کی ڈگری حاصل کی۔

انجینئر سے سماجی کارکن تک

مگر ملک یاسین حسن کی کہانی صرف ایک انجینئر بننے تک محدود نہیں رہی۔ اس نے اپنی تعلیم کو صرف ذاتی کامیابی کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ اسے معاشرے کی خدمت کے لیے استعمال کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہی وہ مقام تھا جہاں سے اس کی شخصیت ایک نئے روپ میں سامنے آئی — ایک سماجی کارکن اور ہیومن رائٹ ایکٹیوسٹ کے طور پر۔

آج وہ بارہمولہ، بانڈی پورہ، اوڑی، کپواڑہ اور سرینگر کے علاقوں میں ایک جانی پہچانی اور بااثر شخصیت ہیں۔ وہ ان لوگوں میں سے ہیں جو صرف باتیں نہیں کرتے بلکہ عملی میدان میں کام کرتے ہیں۔

۱۹۹۹ ملک یاسین حسن کو انڈیا اور پاکستان، خصوصاً جموں و کشمیر کے سینئر صحافی جانتے ہیں۔ انہوں نے کولیشن آف سول سوسائٹی کشمیر * کے ساتھ کام کی ملک۔ * جموں و کشمیر بارہ مولہ نمبردار ایسوسی ایشن کے قانونی مشیر اور بارہمولہ کے ترجمان ہیں۔ ساتھ ہی نارواہ اسپورٹس ایسوسی ایشن کے جنرل سیکرٹری بھی ہیں۔ انہوں نے ماتحت عدالتوں سے لے کر ہائی کورٹ تک عوامی مسائل پر کام کیا۔

قدرتی آفات میں ہراول دستہ

۲۰۰۵ کے قیامت خیز زلزلے میں ان کا کردار بہت اہم رہا۔ انہوں نے متاثرین تک راشن، دوائیں اور امداد پہنچائی۔ ۲۰۱۴ کے تباہ کن سیلاب میں وہ خود چار دن تک پانی میں پھنسے رہے، لیکن جیسے ہی باہر نکلے، سرینگر پہنچ کر ایک این جی او کے ساتھ مل کر ریلیف کا کام شروع کر دیا اور سینکڑوں خاندانوں کی مدد کی۔ ۲۰۰۸ کے مشکل حالات میں بھی انہوں نے امن اور عوامی فلاح کے لیے اہم کردار ادا کیا۔

نوجوانوں اور ماحول کا محافظ

ملک یاسین حسن کا ماننا ہے کہ معاشرہ تب ہی مضبوط ہوتا ہے جب نوجوان باشعور ہوں۔ اسی لیے انہوں نے نوجوانوں کو منشیات سے بچانے کے لیے کھیل کا میدان چنا۔ درجنوں کرکٹ ٹورنامنٹ منعقد کروائے اور کئی علاقوں میں پلے گراؤنڈ کا بندوبست بھی کروایا۔

وہ ماحول کے بھی محافظ ہیں۔ کہتے ہیں کہ "جنگلات صرف درختوں کا مجموعہ نہیں بلکہ انسانی بقا کی بنیاد ہیں۔ ایک درخت سال میں ۱۱۸ کلو آکسیجن پیدا کرتا ہے جو چار لوگوں کے لیے کافی ہے۔" دیودار اور چیڑ کو وہ کشمیر کی پہچان قرار دیتے ہیں۔

قومی سطح پر پذیرائی

ان کی بے لوث خدمات کے اعتراف میں انہیں ۲۰۲٦ کے 'انڈیاز ان سنگ ہیروز ایوارڈ' کے لیے نامزد کیا گیا ہے جو وہ ۲۲ فروری کو نئی دہلی میں وصول کریں گے۔ اس سے قبل ۲۰۱۸ میں بھی انہیں نئی دہلی میں ایک این جی او کی طرف سے ایوارڈ اور دستار بندی سے نوازا گیا تھا۔

قلم اور عوام کا رشتہ

ملک یاسین حسن پر گزشتہ برسوں میں کئی قلمکاروں نے لکھا۔ گریٹر کشمیر کے شوکت موٹا، بارہمولہ کے سماجی کارکن خالد پرویز، اور صحافی میر احسان نے ان پر کئی بار خبریں شائع کیں۔ چند ماہ قبل تسلیمہ اختر نے ان پر تفصیلی فیچر "ایک دیا اور سو طوفان" کے عنوان سے لکھا جو وادی کے کئی اخبارات میں شائع ہوا۔

وہ خود بھی عوامی مسائل پر اخبارات میں مضامین لکھتے ہیں اور رینج آفیسر بارہمولہ رمیز راجہ سمیت اعلیٰ افسران سے ملاقاتیں کر کے عوام کے مسائل حل کرواتے ہیں۔

لوگ اسے ایک نڈر اور مخلص سماجی کارکن کے طور پر دیکھتے ہیں۔ اس کی آواز میں سچائی ہے اور عمل میں خلوص ہے۔ زندگی میں اصل کامیابی یہی ہے کہ انسان اپنی صلاحیت کو معاشرے کی بھلائی کے لیے استعمال کرے۔

بارہمولہ کی زمین پر جلنے والا یہ دیا شاید چھوٹا ہو، مگر اس کی روشنی دور تک پھیل رہی ہے۔ یہ روشنی امید کی ہے، خدمت کی ہے۔ ملک یاسین حسن کی کہانی ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ اندھیروں کو کوسنے سے بہتر ہے کہ ایک چراغ جلایا جائے۔ اور کبھی کبھی ایک ہی چراغ پورے آسمان کو روشن کرنے کے لیے کافی ہوتا ہے۔

سیرتِ حضور غوث اعظم اور ان کے علمی و روحانی کمالات۔

سلطان الاولیاء: سیدنا محی الدین عبدالقادر جیلانی غوثِ اعظم دستگیر

از قلم: محمد صادق الاسلام

رب لم یزل نے اپنے بندوں میں مؤمنوں کو خاص کیا ہے، اور پھر ان میں متقین کو اپنی محبت و الفت کے جام پلا کر ولایت کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز فرمایا ہے۔ اور اپنی قدرت سے انہیں اختیار و کمالات دے کر، انہیں ہر طرح کے رنج و غم سے آزاد کر دیا، جنہیں زمانہ اولیاء اللہ کہ کر پکارتا ہے، اللہ رب العزت قرآن مقدس میں ارشاد فرماتا ہے: "اَلَآ اِنَّ اَوۡلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ"

ترجمہ:__ سن لو بیشک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ کچھ غم۔

(سورہ یونس، آیت نمبر ۶۲۔ کنزالایمان۔ اردو)

انہیں محبوبان خدا میں ایک اہم اور بلند مرتب شخصیت غوث اعظم، پیران پیر، دستگیر، شیخ الشیوخ، سلطان اولیاء، سردار اولیاء، امام اولیاء، قطب ربانی، محبوب سبحانی، سید السند، قطب اوحد، شیخ الاسلام، زعیم العلماء، قطب بغداد، ابو صالح، میر محی الدین، حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- بھی ہیں، جن کی پیدائش سے پہلے ہی لوگوں میں ان کے مقام و مرتبہ کا چرچا ہونے لگا تھا۔

آپ علیہ الرحمہ کی پیدائش اور اسم گرامی:

سرکار بغداد حضور غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کا اسم مبارک "عبدالقادر" ہے۔ کنیت ابو محمد اور لقب محی الدین ہے، اور آپ غوثیت کبری کے مرتبہ پر فائز تھے۔ اور آپ علیہ الرحمہ ۴۷۱ھ میں ملک ایران کے صوبہ جیلان میں پیدا ہوئے۔

ولایت کی خبریں:

سیدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت شریفہ اور اولیاء آپ کے عظیم مرتبہ ولایت پر فائز ہونے کی خبریں آپ کی ولادت سے پہلے اجلہ اولیاء کرام اپنے اپنے زمانہ میں دیتے رہے، چنانچہ شیخ ابو محمد شبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک مقبول خلائق ولی اللہ عبدالقادر نامی عراق میں ہوں گے جن کا قیام شہر بغداد میں ہوگا۔

حضرت شیخ ابو محمد بن علی بن موسی الجون اکثر اپنی مجالس میں ارشاد فرمایا کرتے کہ عنقریب خاندان سادات کرام سے ایک لڑکا پیدا ہوگا جو قطبیت و غوثیت کے بڑے مرتبوں پر فائز ہوگا جس کے جاہ وجلال، کمالات وحسنات کا عجم و عرب معترف ہوگا۔

("بھجۃ الأسرار" ذکر نسبہ و صفتہ۔ و "سیرت غوث پاک")

وقت ولادت اور بچپن میں کرامت کا ظہور:

حضور سیدنا غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ماہ رمضان المبارک میں ہوئی، اور پہلے ہی دن اپ علیہ الرحمہ نے روزہ بھی رکھ لیا۔ سحری سے لے کر وقت افطار تک آپ علیہ الرحمہ اپنی والدہ محترمہ کا دودھ نہ پیتے، چنانچہ سیدنا غوث الثقلین شیخ عبدالقادر جیلانی اس کی والدہ ماجدہ حضرت سیدہ ام الخیر فاطمہ فرمایا کرتیں کہ "جب میرے صاحبزادے عبدالقادر کی ولادت ہوئی، تو وہ رمضان المبارک میں دن کے وقت دودھ نہیں پیتے تھے، آئندہ سال مطلع صاف نہ ہونے کے سبب رمضان کا چاند نظر نہیں آیا، تو لوگ میرے پاس دریافت کرنے کے لیے آئے، میں نے کہا کہ "میرے بچے نے آج دن میں دودھ نہیں پیا"، پھر معلوم ہوا کہ آج رمضان کا دن ہے، تب ہمارے شہر میں یہ بات مشہور ہوگئی، کہ سیدوں میں ایک ایسا بچہ پیدا ہوا ہے، جو رمضان المبارک میں دن کے وقت دودھ نہیں پیتا۔

آپ علیہ الرحمہ کو بچپن میں ہی اپنی ولایت کا علم تھا:

حضور غوث اعظم، پیران پیر، دستگیر، شیخ الشیوخ، سلطان اولیاء، سردار اولیاء، امام اولیاء، قطب ربانی، محبوب سبحانی، سید السند، قطب اوحد، شیخ الاسلام، زعیم العلماء، قطب بغداد، ابو صالح، میر محی الدین، حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ سے کسی نے پوچھا کہ:

آپ کو اپنے ولی ہونے کا علم کب ہوا؟ ارشاد فرمایا کہ "میری عمر دس ۱۰ برس تھی، تب میں مکتب میں پڑھنے جاتا، تو دیکھتا کہ میرے آنے پر فرشتے بچوں سے فرماتے کہ "ولی اللہ کے بیٹھنے کے لیے جگہ کشادہ کر دو! میرے عزیزوں: دیکھیے رب ذوالجلال کس طرح اپنے ولیوں کو عزت واحترام سے نوازتا، اور پھر اپنی مخلوق کے دلوں میں بھی ان کی محبت ڈال دیتا ہے! لہٰذا ہمیں بھی اولیاء اللہ کی مخالفت سے بچتے ہوئے، ان سے سچی محبت اور دل سے قدر کرنی چاہیے۔

(سرکار غوث اعظم علیہ الرحمہ۔ بحوالہ "بھجۃ الأسرار") تعلیم کے لئے سفر:

جب اعلیٰ علوم دینیہ کا شوق اور تیز تر ہو گیا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی والدہ ماجدہ سے اظہار شوق فرما کر بغداد تشریف لے جانے کی اجازت طلب کی بغداد اس وقت علوم اسلامیہ کا بہت بڑا مرکز تھا بڑے بڑے علماء، فضلاء، محدثین اور مشائخ طریقت بغداد میں جلوہ فرما تھے۔

ہر رات ختم قرآن مجید:

حضور سیدنا غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "میں پندرہ ۱۵ سال تک ہر رات ایک قرآن پاک ختم کرتا رہا۔ رب ذوالجلال اپنے ان بندگان خاص کے صدقے ہمیں بھی قرآن کریم سے کامل محبت، اور کثرت سے تلاوت کی توفیق عطا فرمائے۔

چالیس سال تک عشاء کے وضو سے نماز فجر:

شیخ ابو عبد اللہ محمد بن ابو الفتح ہروی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "میں نے چالیس ۴۰ سال تک حضرت شیخ محی الدین سید عبدالقادر جیلانی نے کی خدمت میں وقت گزارا، اس مدت میں آپ علیہ الرحمہ عشاء کے وضو سے صبح کی نماز ادا کرتے، اور آپ علیہ الرحمہ کا معمول تھا کہ جب بھی بے وضو ہوتے، تو فوراً وضو فرما کر دو ۲ رکعت نماز نفل پڑھ لیتے۔

(بھجۃ الأسرار" ذکر طریقہ، رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

اللہ رب العزت کے برگزیدہ بندوں کا تو یہ عالم ہے، اور ایک ہم ہیں کہ فرائض وواجبات کا بھی اہتمام صحیح طور پر نہیں کرتے، اس پر ہمیں بہت غور وفکر کی ضرورت ہے۔!

چالیس سال تک استقامت کے ساتھ وعظ و بیان فرمایا:

حضور سیدنا غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند سیدنا عبدالوہاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ حضور سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے، ۵۲۱ھ سے ۵۶۱ تک چالیس ۴۰ سال مسلسل مخلوق خدا کو وعظ و نصیحت فرمائی۔

پانچ سو سے زائد یہودیوں اور عیسائیوں کا قبولِ اسلام:

حضرت سیدنا شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی -رحمۃ اللہ علیہ- فرماتے ہیں کہ میرے ہاتھ پر پانچ سو ۵۰۰ سے زائد یہودیوں اور عیسائیوں نے اسلام قبول کیا، اور ایک لاکھ سے زیادہ ڈاکو، چور، فساق وفجار، فسادی اور بدعتی لوگوں نے توبہ کی، اور یہ بہت بڑی بھلائی ہے"

(بحوالہ "بھجۃ الأسرار")

آپ رحمۃ اللہ علیہ تیرہ ۱۳ علوم میں تقریر فرماتے:

حضرت ابو عبد اللہ محمد بن خضر حسینی موصلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے اپنے ابا جان کو فرماتے سنا ہے کہ "حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ تیرہ ۱۳ علوم میں تقریر فرمایا کرتے تھے، اور آپ کے مدرسہ عالیہ میں لوگ آپ سے تفسیر، حدیث، فقہ اور علم الکلام پڑھتے، دوپہر سے پہلے اور بعد دونوں وقت لوگوں کو تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، اصول اور نحو پڑھاتے، اور ظہر کے بعد قراءتوں کے ساتھ قرآن مجید پڑھایا کرتے۔

(سرکار غوث اعظم علیہ الرحمہ۔ ص ۱۳۔ بحوالہ "بھجۃ الأسرار")

آپ رحمۃ اللہ علیہ کا وصال مبارک:

حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ۹/ربیع الآخر ۵۶۱ ہجری میں انتقال فرمایا، وصال کے وقت آپ کی عمر شریف تقریباً نوے۔ ۹۰/برس تھی۔

(سرکار غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ، بحوالہ ذیل طبقات الحنابلۃ" إسماعيل بن أبي طاهر بن الزبير الحيلي)

المختصر: حضور سیدنا غوث الثقلین _رضی اللہ عنہ_ کی ذات بابرکات علم و عمل، زہد و تقویٰ اور اشاعتِ اسلام کا ایک روشن منارہ ہے۔ آپ کی حیاتِ طیبہ ہمیں شریعت کی پابندی، علمِ دین کی طلب اور مخلوقِ خدا کی خیر خواہی کا درس دیتی ہے۔

یارب ذوالجلال: ہمیں سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ کی سیرت طیبہ پر عمل کی توفیق عطا فرما، ان کے فیض روحانی سے ہمیں کامل حصہ عطا فرما۔ (آمین یارب العالمین 🤲)

از قلم: محمد صادق الاسلام (اتر دیناج پور، مغربی بنگال)
متعلم: ازہر ہند۔ دارالعلوم علیمیہ، جمدا شاہی، بستی
رابطہ ۷۴۷۹۳۸۹۵۱۲

درود ان پر سلام ان پر

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت اور عملی وابستگی لازمی شرط ہے...!

محمد عبدالحفیظ اسلامی
خطیب مسجد صالحہ قاسمؒ و سینئر کالم نگار۔
حیدرآباد
۹۸۴۹۰۹۹۲۲۸

النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ (الاحزاب: ۶) بلاشبہ نبیؐ تو اہل ایمان کیلئے ان کی اپنی ذات پر مقدم ہیں۔

گذشتہ دو مضامین میں درود سلام کے متعلق اس کی اہمیت و فضیلت اور اہل ایمان پر درود و سلام کو اللہ تعالیٰ نے کیوں فرض قرار دیا اس پر واضح انداز میں روشنی ڈالی گئی اور اس بات کی طرف متوجہ بھی کیا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی بابرکت پر درود وسلام کا نذرانہ ہر وقت پیش کرتے ہوئے آدمی اپنے قلب کو مرض نفاق سے بچالے تاکہ اللہ تبارک تعالیٰ اور اسکے حبیبؐ کی محبت ہمیشہ بندے مومن کے قلب میں بسی رہے۔ اللہ رب العزت کے احکامات پر چلنے کے لئے نبیؐ کی اتباع انتہائی ضروری ہے، اور اس حقیقت کو بھی ہم نہ بھولیں کہ آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری طرح سے پیروی کیے بغیر اللہ کا محبوب نہیں بن سکتا، اور جس کی اتباع و پیروی کرنے کا حکم اللہ عز وجل ہمیں دے رہا ہے وہ سارے انسانوں میں افضل واکمل ذات گرامی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔۔۔! لہٰذا جس کی ہمیں پیروی کرنی ہے، اور جس کا حکم بجالانا ہے اس سے والہانہ محبت اور عملی وابستگی کے بغیر کوئی بھی انسان صراط مستقیم کی راہ نہیں پا سکتا۔ اور حقیقت یہ ہیکہ محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم سے "وفا کئے بغیر" دنیا وآخرت کی کامیابی ناممکن ہے۔

شاعر مشرق علامہ اقبالؒ اپنی مشہور نظم "جواب شکوہ" میں کہتے ہیں کہ؛

کی محمدؐ سے وفا تونے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح قلم تیرے ہیں

نوع انسانی کو یہ حقیقت سمجھنا ہوگا کہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی، اللہ جل شانہ کی بندگی کا اعلی ترین نمونہ ہے، جس کسی کو بھی بندگی رب مقصود ہو اور اپنے حقیقی مالک کے حکم کے مطابق دنیا میں چلنا چاہتا ہو، اسے اپنے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات ارشادات اور آپؐ کے شام وسحر پر عمل پیرا ہونا ہوگا۔۔۔! یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کا مدار نبیؐ کے نقش قدم پر چلنے میں مضمر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بگڑی اور بھٹکی ہوئی انسانیت پر رحم و کرم کا معاملہ فرماتے ہوئے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ میں ہادی عالم بناکر مبعوث فرمایا، جنانچہ آنحضور نے لوگوں کی اصلاح کرنے اور انسانیت کا درس دینے اور انہیں اپنے معبود حقیقی کی بندگی سکھلانے کے لئے دن رات کوشاں رہے اور آپؐ نے، لوگوں کو جھوٹی رسم ورواج کی گندگی سے نکال کر صاف و شفاف راہ دکھلائی تاکہ لوگ اپنے حقیقی مقصد حیات کو جانیں اور دنیا و آخرت کی تمام ذلت ورسوائی سے محفوظ ہو جائیں۔ اس طرح کئی مراحل سے دوچار ہوتے ہوئے اسلام کا یہ قافلہ حق دھیرے دھیرے مضبوطی Gradual but firm کے ساتھ روز بروز آگے بڑھتا رہا۔ دوسری جانب باطل طاقتوں کے علمبرداروں نے اس قافلہ حق کو آگے بڑھتا دیکھ کر چراغ پا ہونے لگے اور بشمول قائد تحریک اسلامی صلی اللہ علیہ وسلم کے، آپ کے دست حق پرست پر مشرف بہ اسلام ہوئے، اولین جماعت صحابہؓ کے بھی یہ باطل پرست لوگ کٹر دشمن بن بیٹھے۔ آخر ایک دن وہ بھی آجاتا ہے جس میں نبیؐ کو مکہ سے ہجرت کرنی پڑتی ہے، لیکن اللہ رب العزت نے ہجرت سے قبل ہی یثرب (مدینہ منورہ) میں تحریک اسلامی کو جمنے کے لئے زمین ہموار فرمادی۔ پھر اسکے بعد اسلام کی دعوت چاروں جانب پھیلتے رہی اور دن بدن توحید خالص کی آواز لوگوں کے کانوں میں گونجنے لگی اور دلوں پر دستک دیتی اور دماغوں پر چھاتے ہوئے اپنا اسیر بنارہی تھی۔ البتہ مکہ میں صرف مشرکین مکہ سے تحریک اسلامی، دعوت اسلامی کو مخالفت کا سامنا تھا لیکن جب مدینہ طیبہ میں اسلام کے قدم جمنا شروع ہوئے اور دعوت حق کے لئے راہیں کھلتی چلی گئیں وہیں پر ایک اور دشمن اسلام گروہ سے مخالفت کا سامنا ہوا اور وہ گروہ یہود کا تھا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی دعوت کے سخت مخالف تھے۔ اور یہ لوگ چاہتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو زک پہنچائی جائے اوران لوگوں نے اس میں ذرہ بھی کسر نہ چھوڑی بلکہ جو لوگ بظاہر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا دعویٰ کیا اور جن لوگوں کے ایمان میں ضعف پایا جاتا تھا۔ اُن کو یہود نے خوب استعمال کیا اور کسی بھی موقع سے فائدہ اٹھا کر اہل ایمان کی جماعت میں رخنہ اندازی کا موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے۔ بلکہ مشرکین مکہ اور یہودی آپس میں گٹھ جوڑ کرتے ہوئے یثرب میں قائم اسلام کے اس مرکز کو ہمیشہ کے لئے اکھاڑ دینا چاہتے تھے لیکن غزوہ بدر سے لیکر غزوہ احزاب تک ہر موقع پر اللہ تعالی کی نصرت شامل حال رہی۔ اس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم الشان قیادت میں اسلام کا قافلہ مختلف نشیب و فراز سے گزرتے ہوئے آگے ہی آگے بڑھتا رہا یہاں تک کہ ہجرت نبویؐ کا پانچواں سال آجاتا ہے۔ چنانچہ ایک طرف منافقین دوسری جانب یہود جنہیں اسلام کی ترقی اور ہر محاذ پر کامیابی ایک آنکھ نہیں بھا رہی تھی اورانکے قلوب حسد کی آگ میں جل رہے تھے۔ کبھی نکاح حضرت زینبؓ پر غلط پروپگنڈے کا طوفان کھڑا کیا اور کبھی کسی اور بات کا مسئلہ بنا کر سماج میں پیش کیا جاتا تاکہ کمزور ایمان لوگ نبیؐ کا ساتھ چھوڑ دیں اور اسلامی تحریک کمزور پڑ جائے۔ لیکن ہر اس نازک موقع پر اللہ تبارک تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پناہی فرماتا اور مخلص اہل ایمان کے قلوب کو اور بھی زیادہ نبیؐ کی محبت والفت سے سرشار فرماتے ہوئے ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی وپکی محبت وو ابستگی کا ایک مضبوط واٹوٹ رشتہ قائم فرما دیا، جو کسی بھی منافق ومشرک دشمن کی مقدور بھر کوششوں سے بھی نہ ٹوٹ پائے۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے اس بات کی طرف نشاندہی فرمادی کہ النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ۔ بلاشبہ نبی تو اہل ایمان کے لئے اُن کی اپنی ذات پر مقدم ہے۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ مسلمانوں کا نبیؐ سے جو تعلق ہے وہ دنیا کے کسی بھی انسانی تعلقات سے ذرہ برابر بھی کوئی نسبت نہیں رکھتا یہاں تک کہ اہل ایمان کے والدین بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک ومتبرک ہستی پر قربان ہیں۔ اس سلسلہ میں حضرت سید ابوالاعلی مودودی نوراللہ مرقدہ نے بڑی خوبصورت بات تحریر فرمائی ہے جو قلوب کو چھولیتی ہے۔

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے لیے ان کے ماں باپ سے بھی بڑھ کر شفیق ورحیم اور ان کی اپنی ذات سے بھی بڑھ کر خیر خواہ ہیں۔ ان کے ماں باپ اور ان کے بیوی بچے ان کو نقصان پہنچاسکتے ہیں۔ ان کے ساتھ خود غرضی برت سکتے ہیں' ان کو گمراہ کرسکتے ہیں ' ان سے غلطیوں کا ارتکاب کراسکتے ہیں' ان کو جہنم میں دھکیل سکتے ہیں 'مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے حق میں صرف اور صرف وہی بات کرنے والے ہیں جس میں ان کی حقیقی فلاح ہو۔ وہ خود اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی مارسکتے ہیں' حماقتیں کرکے اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کرسکتے ہیں' لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے وہی کچھ تجویز کریں گے' جو فی الواقع ان کے حق میں نافع ہو۔

اور جب معاملہ یہ ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی مسلمانوں پر یہ حق ہے کہ وہ آپؐ کی ذات اقدس کو اپنے ماں باپ اولاد اور اپنی جان سے بڑھ کر عزیز رکھیں' دنیا کی ہر چیز سے زیادہ آپؐ سے محبت رکھیں۔ اپنی رائے پر آپؐ کی رائے کو' اپنے فیصلے پر آپؐ کے فیصلے کو مقدم رکھیں اور آپؐ کے ہر حکم کے آگے سر تسلیم خم کردیں۔۔۔

اسی مضمون کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ارشاد فرمایا ہے 'جسے بخاری ومسلم وغیرہ نے تھوڑے سے لفظی اختلاف کے ساتھ روایت کیا ہے: لایومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین۔ تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کو اس کے باپ اور اولاد سے اور تمام انسانوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہوں۔ (تفہیم القرآن جلد چہارم صفحہ: ۷۱ تا ۷۲)

حاصل کلام

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں، منافقین و مشرکین کی طرف سے ایذائیں پہنچائی جاتی رہیں اور گستاخیاں کیگئی ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو اس گندگی سے ہمیشہ بچائے رکھا اور سہواً اگر کبھی کوئی بات نادانستہ طور پر ہوچکی ہو تو اللہ تعالیٰ نے فوری طور پر اس کے سدباب کیلئے آیات کا نزول فرماتے ہوئے اصلاح کا سامان کردیا تاکہ اہل ایمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادب و احترام' محبت والفت اور سچی وابستگی کے ساتھ آپؐ کی اطاعت و پیروی کریں اور ایمان لانے والے خوش نصیب نفوس کے سامنے یہ بات واضح انداز بھی رکھدی کہ دیکھو! ایمان لانے والے میرے بندو' میں نبی پر بے حد مہربان ہوں اور آپ کی تعریف کرتا ہوں۔ آپ کے کام میں برکت نازل کرتا ہوں' آپؐ کا اسم گرامی بلند کرتا ہوں اور آپؐ پر رحمتوں کی بارش فرماتا ہوں۔ اور (دیکھوں) میرے ملائکہ بھی ہر وقت آپؐ سے بے انتہا محبت رکھتے ہیں اور آپ کے حق میں مجھ سے دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے اللہ نبی کو زیادہ سے زیادہ اونچے مراتب عطا فرما۔ آپ کے دین کو سربلندی سے نواز آپ کی شریعت کو فروغ بخشے اور آپ کو مقام محمود پر پہنچادے۔ لہٰذا نبیؐ کے ماننے والوں کا بڑے پیار بھرے انداز میں نام لیکر یہ حکم دیا گیا کہ "اے ایمان والو تم بھی نبی پر درود وسلام کا نذرانہ پیش کرتے رہا کرو"۔ درود وسلام کا طریقہ کیا ہوگا اور اس کے کلمات کیا ہوں گے اور کن مقامات پر یہ پڑھے جائینگے اس کی تفصیل گذشتہ کے مضمون میں تحریر کرنے کی سعادت حاصل کی جاچکی ہے۔

موجودہ زمانے میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخیاں ہورہی ہیں اور آپؐ پر اتاری گئی کتاب مقدس قرآن مجید پر انگلی اٹھائی جارہی ہے جو ہم سب پر واضح ہے۔ نبی مکرمؐ پر الزام تراشیاں اور آپؐ کی ذاتی زندگی پر حملے اور آپ کی غلط طور پر سیرت بیان کرنا امہات المومنینؓ پر رکیک الفاظ پر مشتمل خیالات کو پھیلانا، خلفائے راشدین و دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بارے میں زبان درازی۔ وغیرہ کا بازار اس بھی بعض علاقوں وملکوں میں گرم نظر آتا ہے، بالخصوص قرآن حکیم کی ۲۶ آیات کو سیاق و سباق سے کاٹتے ہوئے ظاہری مطالب بیان کرکے خلق خدا کی گمراہ کیا جارہا ہے اور اعلانیہ طور پر اس کے اوراق کی توہین کی جارہی ہے۔ ان سب چیزوں کے پیچھے جو راز چھپے ہوئے ہیں وہ یہ کہ رد عمل کے طور پر مسلمان بے قابو ہوکر اپنے جذبات کا مظاہرہ کریں اور تخریب کاری کے ذریعے اسلام کو خون خوار و لڑائی جھگڑے اور مار پیٹ والا مذہب بناکہ پیش کریں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مذہب اسلام ایک سچا مذہب ہے سلامتی والا دھرم ہے، اس کا ثبوت ہم اپنے مومنانہ کردار سے فراہم کریں۔

((اب ہمارے کرنے کے کام))

زبانی طور پر ہم مسلمان جہاں پر نبی آخری زماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام کا نذرانہ پیش کریں وہیں پر عملی اقدام بھی کریں جو درج ذیل چند اشارہ دیئے جاتے ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے سچی محبت ہو! (۲) اپنے ایمان وعقیدے میں پختگی پیدا کریں! (۳) ہر کام اللہ کی رضا و خوشنودی کیلئے کریں! (۴) نبیؐ سے والہانہ محبت اور سچی وابستگی پیدا کریں!

(۵) آپ کے لائے ہوئے دین کی حمایت کریں اور اس کی نصرت کے لئے ہمیشہ تیار رہیں، نبی کے دین کی اعانت کریں اور اس سے پورے طور پر منسلک و متمسک Firmly attached to faith ہوجائیں اور سب سے بڑی بات یہ کہ آپ کی لائی ہوئی شریعت کی پہلے خود پابندی اپنے اوپر لازم کرلیں اور اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے دین کی بات کو سارے بندگان خدا تک Conveying the Message of islam پہنچائیں یہ قرآن کا فرمان ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی سنت ہے اور دین کی طرف خدا کے بندوں کو بلانا، صحابہ کرامؓ کا عمل رہا ہے، یہ خیر امت کی اہم ذمہ داری ہے، اسی میں نوع انسانی کی فلاح وکامیابی رکھی گئی ہے۔

اب ہمیں بھی یہ بات یاد رکھنی ہوگی کہ اپنے برادران وطن میں دعوت دین کا کام بہت ہی حکمت، محبت، علم و دانشمندی کے ساتھ کرنا ہوگا۔ دوسری اہم چیز یہ کہ ملت اسلامیہ میں اصلاح معاشرہ کے کام کی پہلے سے زیادہ شدید ضرورت ہے، اور یہ کام بھی بڑا محنت و مشقت طلب ہے۔ اب ہمارے علماء کرام و ذمہ داران ملت، اور بھی زیادہ آگے بڑھ چڑھ کر یہ کام پوری دلچسپی کے ساتھ اپنے ہاتھ میں لیں یا اس دعوتی واصلاحی جدوجہد میں اپنا بھرپور تعاون پیش فرمایں، تو ان شاء اللہ یقینی طور پر اسکے بہترین نتائج نکل سکتے ہیں، اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مشن رہا ہے جس کے ہم امین ہیں اور یہ دعوتی لگن تمام اولاد آدم سے حقیقی ہمدردی ہے، یہی سیرت کا پیغام ہے اور آپؐ سے والہانہ محبت اور سچی وابستگی کا عین تقاضا ہے۔ (ختم شد)

مژدۂ جانفزا علم وادب کے شائقین کے لیے ایک گراں قدر تحفہ

عصرِ حاضر کے علمی، دینی اور فکری تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے، اہل سنت و جماعت کے ممتاز علمی و روحانی ادارے * دار العلوم فیضانِ مدینہ (جنکپور) * کے ناظمِ اعلیٰ، مصنفِ کتبِ کثیرہ، ناشر مسلکِ اعلیٰ حضرت حضرت علامہ مفتی محمد زاہد رضا منظری نقشبندی مدظلہ العالی کا شاہکار علمی و تحقیقی رسالہ "مقالاتِ منظری" زیورِ طبع سے آراستہ ہوکر منظر عام پہ آگیا.

یہ کتاب محض چند صفحات کا مجموعہ نہیں، بلکہ حالاتِ حاضرہ کے تناظر میں ایک فکر انگیز اور رہنمائے عمل تحریر ہے۔

موجودہ دور کے درپیش چیلنجز اور ان کے علمی و فکری حل کو خوبصورت انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اکابرین، علماء، اور مشائخِ اہل سنت کے خدمات وافکار، نیز دینی مدارسِ اہل سنت کے کردار پر جامع اور مؤثر روشنی ڈالی گئی ہے۔ حقائق پر مبنی تحریریں ہیں جو پڑھنے والے کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوں گی۔

حضرت مفتی محمد زاہد رضا منظری نقشبندی صاحب کی تصنیفی و تحقیقی خدمات محتاجِ تعارف نہیں۔ آپ نے نہ صرف تعلیمی و تدریسی میدان میں اہم خدمات انجام دی ہیں، بلکہ اپنی قلمی کاوشوں سے ہمیشہ مسلکِ اعلیٰ حضرت کی ترویج و اشاعت میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس رسالے میں بھی مفتی صاحب کی عرق ریزی، اخلاص اور بصیرتِ علمی ہر صفحے سے جھلکتی ہے۔

تعالی اس رسالہ کو مقبول خاص و عام بنائے اور صاحب رسالہ کو دن دگنی رات اللہ چگنی ترقی عطا فرمائے آمین ثم آمین بجاہ النبی الامین الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

از قلم محمد کلام الدین نعمانی مصباحی امجدی
ناشر اسیر حضور قاضی نیپال: حافظ و قاری محمد ارشاد عالم رقیبی
سہسرام مہوتری نیپال

کیا یونیورسٹیاں انسان بنا رہی ہیں یا صرف ملازمین تیار کر رہی ہیں؟

Dr. Reyaz Ahmad
Faculty of Mathematics,

اعلیٰ تعلیم کو طلبہ کو روزگار کے لیے تیار ضرور کرنا چاہیے، لیکن جب ملازمت، رینکنگ اور آمدنی ہی اس کا بنیادی مقصد بن جائیں تو یونیورسٹی اپنے حقیقی وجود کا مقصد کھونے لگتی ہے۔

یہ سوال ایسا ہے جو یونیورسٹیاں خود سے بہت کم پوچھتی ہیں، کیونکہ رینکنگ، ایکریڈیٹیشن، گریجویٹس کی ملازمت کی شرح اور تحقیقی اشاعتوں پر گفتگو کرنا کہیں زیادہ آسان ہے:

آخر یونیورسٹی کا اصل مقصد کیا ہے؟

کیا اس کا بنیادی کام ایسے ملازمین تیار کرنا ہے جو تیزی سے روزگار کی منڈی میں جذب ہو سکیں؟ کیا یونیورسٹی ایک ایسا اعلیٰ تربیتی مرکز ہے جس کا مقصد صنعتوں اور کارپوریشنوں کو مطلوبہ ہنر مند افرادی قوت فراہم کرنا ہے؟ کیا یہ تحقیقی مقالات، گرانٹس، حوالہ جات اور عالمی درجہ بندی کی دوڑ میں شریک ایک علمی فیکٹری ہے؟ یا یونیورسٹی کی ذمہ داری اس سے کہیں زیادہ گہری ہے—ایسے بااختیار اور خود مختار ذہن پیدا کرنا جو مفروضات پر سوال اٹھا سکیں، طاقت کے مراکز کا تنقیدی جائزہ لے سکیں، شواہد کو پرکھ سکیں اور بازار کی فوری ضرورتوں سے آگے سوچنے کی صلاحیت رکھتے ہوں؟

یہ سوال اب صرف فلسفیانہ بحث نہیں رہا۔ یہی جدید اعلیٰ تعلیم کے بنیادی بحران کا مرکز بنتا جا رہا ہے۔

آج یونیورسٹیوں پر اپنی معاشی افادیت ثابت کرنے کا شدید دباؤ ہے۔ طلبہ اور والدین بجا طور پر پوچھتے ہیں کہ ڈگری کے بعد ملازمت ملے گی یا نہیں۔ حکومتیں گریجویٹس کے روزگار کے نتائج مانگتی ہیں۔ صنعتیں ایسے نوجوان چاہتی ہیں جو فوراً کام سنبھال سکیں۔ ایکریڈیٹیشن ادارے قابلِ پیمائش کارکردگی طلب کرتے ہیں اور عالمی رینکنگ نظام تحقیق اور اشاعت کو غیر معمولی اہمیت دیتے ہیں۔

ان میں سے کوئی مطالبہ بذاتِ خود غلط نہیں۔

مسئلہ اس وقت شروع ہوتا ہے جب یہ چیزیں تعلیم کے اجزا رہنے کے بجائے تعلیم کی تعریف بن جائیں۔

جب تعلیم ایک تجارتی لین دین بن جائے

ایک طالب علم یونیورسٹی میں داخل ہوتا ہے۔ فیس ادا کرتا ہے۔ کورس مکمل کرتا ہے۔ ڈگری حاصل کرتا ہے۔ اور پھر ملازمت ڈھونڈتا ہے۔

معاشی اعتبار سے یہ ترتیب بہت منطقی معلوم ہوتی ہے: تعلیم ← سند ← ملازمت ← آمدنی

اسی لیے یونیورسٹیاں بھی اپنی ڈگریوں کی تشہیر بڑھتی ہوئی شرح سے اسی زبان میں کرتی ہیں: روزگار کے امکانات، متوقع تنخواہ، کیریئر میں ترقی اور انڈسٹری سے ہم آہنگی۔ گریجویٹس کو اچھی ملازمت ملنی چاہیے—اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ جو یونیورسٹی طلبہ کی معاشی حقیقتوں سے آنکھ بند کر لے، وہ اپنی ذمہ داری ادا نہیں کر رہی۔

لیکن اگر تعلیم کو صرف اسی مساوات تک محدود کر دیا جائے تو اس میں سے ایک بنیادی چیز غائب ہو جاتی ہے۔ گریجویٹ صرف مستقبل کا ملازم نہیں ہوتا۔ وہ مستقبل کا شہری، والد یا والدہ، فیصلہ ساز، ووٹر، کاروباری فرد، پیشہ ور ماہر اور معاشرے کا ذمہ دار رکن بھی ہوتا ہے۔ لہٰذا یونیورسٹی کا کام صرف انسان کو کمانا سکھانا نہیں بلکہ اسے فیصلہ کرنا اور پرکھنا بھی سکھانا ہے۔ یہ فرق بہت بنیادی ہے۔

تربیت کسی شخص کو بتاتی ہے کہ ایک کام کیسے کرنا ہے۔ تعلیم کو یہ بھی سکھانا چاہیے کہ وہ کام کرنا چاہیے یا نہیں، اس کے نتائج کیا ہوں گے، اور وہ کن مفروضات پر قائم ہے۔ قابلِ پیمائش چیزوں کی آمریت جدید ادارے پیمائش کے بغیر نہیں چل سکتے۔ یونیورسٹیاں تحقیقی مقالات، حوالہ جات، گرانٹس، داخلوں، گریجویشن کی شرح، ملازمت کے اعداد، طلبہ کے اطمینان اور عالمی رینکنگ کو شمار کرتی ہیں۔ یہ پیمائش جواب دہی کے لیے ضروری ہے۔

لیکن تعلیم کے اندر ایک ایسی حقیقت موجود ہے جسے اعداد و شمار میں قید کرنا آسان نہیں: تعلیم کی سب سے قیمتی چیزوں میں سے بہت سی چیزیں ناپی نہیں جا سکتیں۔ فکری جرأت کا نمبر کیسے دیا جائے؟

تجسس کو کس پیمانے سے ماپا جائے؟ کون سی عالمی رینکنگ یہ بتاتی ہے کہ طالب علم کمزور دلیل کو پہچاننا سیکھ گیا؟

کس ڈیش بورڈ پر اخلاقی بصیرت دکھائی دیتی ہے؟ کتنے تحقیقی حوالہ جات یہ ثابت کرتے ہیں کہ یونیورسٹی نے کسی نوجوان کو آزادانہ سوچنا سکھایا؟

ایک ادارہ تمام قابلِ پیمائش اشاریوں میں کامیاب ہوتے ہوئے بھی فکری طور پر کمزور ہو سکتا ہے۔

یہاں ایک خطرناک رجحان جنم لیتا ہے: ہم ان چیزوں کو اہم سمجھنے لگتے ہیں جنہیں ناپا جا سکتا ہے، بجائے اس کے کہ ان چیزوں کو ناپنے کے نئے طریقے تلاش کریں جو حقیقتاً اہم ہیں۔ تحقیق بھی اسی جال میں پھنس سکتی ہے۔ جامعات کو تحقیق کی ضرورت ہے۔ نئی دریافت، علمی ترقی اور فکری توسیع تحقیق ہی سے ممکن ہوتی ہے۔ لیکن جب اساتذہ کی ترقی حد سے زیادہ تحقیقی مقالات کی تعداد، حوالہ جاتی اشاریوں اور جرنل رینکنگ سے منسلک کر دی جائے تو علم آہستہ آہستہ ایک پیداوار میں تبدیل ہونے لگتا ہے: مقالہ شائع کرو ← حوالہ حاصل کرو ← رینکنگ بہتر کرو ← فنڈنگ حاصل کرو ← مزید مقالے شائع کرو۔ تب سوال یہ نہیں رہتا: "کیا یہ موضوع واقعی سمجھنے کے قابل ہے؟" بلکہ سوال بن جاتا ہے:

"کیا یہ کسی جرنل میں شائع ہو سکتا ہے؟"

یہ تحقیق کی مخالفت نہیں۔ یہ صرف اس خطرے کی نشاندہی ہے کہ کہیں ہم تحقیقی پیداوار کو ہی علمی اہمیت نہ سمجھ بیٹھیں۔ لیکن یونیورسٹیاں روزگار کو نظر انداز بھی نہیں کر سکتیں

یہاں اس نظریے کے ناقدین ایک مضبوط سوال اٹھاتے ہیں۔ جس گریجویٹ کو ملازمت ہی نہ ملے، اس کے لیے فکری آزادی کا کیا فائدہ؟

کئی خاندان اپنے بچوں کی اعلیٰ تعلیم کے لیے بڑی معاشی قربانیاں دیتے ہیں۔ طلبہ قرض لیتے ہیں۔ حکومتیں یونیورسٹیوں کو سبسڈی دیتی ہیں۔ صنعتیں ہنر مند کارکن نہ ملنے کی شکایت کرتی ہیں۔

تو کیا یونیورسٹی کی ذمہ داری نہیں کہ وہ نوجوانوں کو معاشی زندگی کے لیے تیار کرے؟

بالکل ہے۔ لیکن غلطی یہ ہے کہ ہم اسے ایک انتخاب سمجھ لیں: یا تو انسانی اور فکری تعلیم، یا روزگار کے قابل بنانا۔ ایک اچھی یونیورسٹی کو دونوں کام کرنے چاہییں۔ حقیقت یہ ہے کہ آج کی تیزی سے بدلتی ہوئی معیشت میں سب سے قیمتی صلاحیتیں وہی ہیں جو حقیقی تعلیم پیدا کرتی ہے:

تنقیدی سوچ، موثر ابلاغ، عددی اور منطقی استدلال، تبدیلی سے ہم آہنگ ہونے کی صلاحیت، تخلیقی سوچ، اخلاقی فیصلہ سازی، مسئلہ حل کرنے کی قابلیت، اور خود سے سیکھتے رہنے کی صلاحیت۔

مصنوعی ذہانت نے اس دلیل کو مزید طاقتور بنا دیا ہے۔ AI اب معمول کے تجزیے، رپورٹس کی تیاری، کمپیوٹر کوڈ، خلاصہ نویسی اور کئی ذہنی سرگرمیوں کو خودکار بنا رہی ہے۔

اگر یونیورسٹیاں اس کے جواب میں طلبہ کو صرف موجودہ ٹیکنالوجی کے مخصوص آپریٹر بنانا شروع کر دیں تو ممکن ہے وہ نوجوانوں کو ایسے کاموں کے لیے تیار کر رہی ہوں جو ان کے کیریئر کے مکمل ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جائیں۔

غیر یقینی مستقبل کے لیے سب سے محفوظ تیاری محدود فنی تربیت نہیں۔

بلکہ فکری لچک اور تطبیق کی صلاحیت ہے۔

آنے والا وقت ان لوگوں کا ہوگا جو صرف صحیح جواب نہیں جانتے بلکہ صحیح سوال پوچھنا جانتے ہیں۔

جب یونیورسٹی ایک کارپوریشن بننے لگے

ایک اور اہم مسئلہ یونیورسٹیوں کا بڑھتا ہوا کاروباری کردار ہے۔

یونیورسٹی کا مالی طور پر مستحکم ہونا ضروری ہے۔ عمارتیں، لیبارٹریاں، ٹیکنالوجی، لائبریریاں، اساتذہ کی تنخواہیں اور طلبہ کی خدمات سب اخراجات چاہتے ہیں۔ مالی نظم و ضبط ضروری ہے۔

لیکن خطرہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب کاروباری منطق علمی منطق پر غالب آ جائے۔ طالب علم آہستہ آہستہ طالب علم نہیں بلکہ گاہک بن جاتا ہے۔

کورس ایک پروڈکٹ بن جاتا ہے۔ استاد ایک سروس فراہم کرنے والا بن جاتا ہے۔ ڈگری ایک سند یا پراڈکٹ بن جاتی ہے۔ تحقیق ایک آؤٹ پٹ بن جاتی ہے۔ جامعہ کے منتظمین برانڈ منیجر بن جاتے ہیں۔ اور تعلیم ایک تجارتی لین دین میں تبدیل ہونے لگتی ہے۔ یہ "گاہک" والا تصور خاص طور پر خطرناک ہے۔ طالب علم عام معنوں میں گاہک نہیں ہو سکتا، کیونکہ تعلیم کا حصہ یہ بھی ہے کہ اسے بعض اوقات وہ بات بتائی جائے جو وہ سننا نہیں چاہتا: "آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے۔" "آپ کی دلیل کمزور ہے۔" "آپ کا حساب غلط ہے۔" "آپ کے شواہد آپ کے نتیجے کی حمایت نہیں کرتے۔" "یہ اسائنمنٹ مطلوبہ معیار کی نہیں ہے۔" ایک سنجیدہ یونیورسٹی کو کبھی کبھی طالب علم کو غیر مطمئن کرنا پڑتا ہے تاکہ وہ اسے بہتر بنا سکے۔ ریستوران اپنے گاہک کو خوش نہ کرے تو ناکام ہوتا ہے۔ لیکن یونیورسٹی کبھی کبھی طلبہ کو حد سے زیادہ خوش کر کے بھی ناکام ہو سکتی ہے۔

پھر حل کیا ہے؟

حل جدید یونیورسٹی نظام کو مسترد کرنا نہیں۔

حل توازن بحال کرنا ہے۔

اول: روزگار تعلیم کا نتیجہ ہو، فلسفہ نہیں

جامعات کو طلبہ کو اچھے کیریئر کے لیے تیار کرنا چاہیے، لیکن ساتھ ہی یہ واضح رکھنا چاہیے کہ یونیورسٹی ڈگری کا مقصد صرف ملازمت نہیں۔

ہر گریجویٹ کو پیشہ ورانہ مہارت کے ساتھ بہتر استدلال، مؤثر ابلاغ اور پختہ فیصلہ سازی بھی سیکھ کر نکلنا چاہیے۔ دوم: تعلیم میں فکری وسعت کو محفوظ رکھا جائے انجینئرنگ کے طالب علم کو اخلاقیات سے واقف ہونا چاہیے۔ بزنس کے طالب علم کو تاریخ اور معاشرہ سمجھنا چاہیے۔ ہیومینٹیز کے طالب علم کو ڈیٹا اور مقداری استدلال جاننا چاہیے۔ سائنس کے طالب علم کو ابلاغ اور شواہد کے فلسفے سے واقف ہونا چاہیے۔ ریاضی کے طالب علم کو یہ سمجھنا چاہیے کہ مجرد استدلال انسانی فیصلوں سے کیسے جڑتا ہے۔

تخصص ماہر پیدا کرتا ہے۔

فکری وسعت بصیرت پیدا کرتی ہے۔

معاشرے کو دونوں کی ضرورت ہے۔

سوم: امتحان حافظے سے آگے بڑھے

اس دور میں جب معلومات چند لمحوں میں تلاش کی جا سکتی ہیں اور AI معمول کے جوابات دے سکتی ہے، تعلیم کو زیادہ توجہ ان صلاحیتوں پر دینی چاہیے:

تشریح، استدلال، مسئلہ حل کرنا،

اطلاق، تنقیدی جائزہ، اصل فکر،

اور اپنے نتیجے کا دفاع۔ مستقبل کا امتحانی سوال صرف یہ نہ پوچھے: "آپ کیا جانتے ہیں؟"

بلکہ یہ پوچھے: "جو آپ جانتے ہیں، اس سے آپ کیا کر سکتے ہیں؟"

چہارم: تحقیق میں تعداد سے زیادہ معیار کو اہمیت دی جائے

جامعات کو اس ثقافت سے بچنا چاہیے جہاں استاد صرف مقررہ تعداد پوری کرنے کے لیے مقالے شائع کرنے پر مجبور ہو۔

کبھی کبھی چند معیاری اور معنی خیز تحقیقات، درجنوں معمولی اشاعتوں سے کہیں زیادہ فائدہ مند ہوتی ہیں۔

پنجم: استاد کو دوبارہ استاد بننے دیا جائے

یونیورسٹی کا سب سے بنیادی تعلق آج بھی حیرت انگیز طور پر سادہ ہے: ایک باعلم استاد ایک دوسرے انسان کو بہتر سوچنا سکھاتا ہے۔ ٹیکنالوجی کو اس تعلق کو مضبوط کرنا چاہیے، ختم نہیں۔ AI وضاحت کر سکتی ہے، حساب کر سکتی ہے، مثالیں پیدا کر سکتی ہے اور ذاتی نوعیت کی مدد فراہم کر سکتی ہے۔ لیکن تعلیم کے لیے اب بھی انسانی فیصلہ، رہنمائی، فکری چیلنج اور کردار کی ضرورت ہے۔

یونیورسٹی: آزادیِ فکر کی جگہ شاید یونیورسٹی کا گہرا ترین مقصد نہ صرف ملازمت ہے اور نہ صرف تحقیق۔ بلکہ فکری آزادی کی پرورش ہے۔

ایک حقیقی تعلیم یافتہ شخص جب کسی دلیل کا سامنا کرے تو اسے پوچھنا چاہیے:

اس کا ثبوت کیا ہے؟ اس میں کون سے مفروضات چھپے ہیں؟

اگر میں اسے مان لیتا ہوں تو کس کو فائدہ ہوگا؟

کیا نتیجہ منطقی طور پر درست ہے؟ اس کے متبادل کیا ہیں؟

اس کے نتائج کیا ہوں گے؟

اور شاید سب سے اہم سوال:

کیا میں خود غلط ہو سکتا ہوں؟

ایسا معاشرہ جس میں تکنیکی طور پر ماہر افراد کی کمی نہ ہو مگر سوال کرنے اور آزادانہ سوچنے کی صلاحیت کمزور ہو، ممکن ہے معاشی طور پر خوشحال ہو جائے۔

لیکن ضروری نہیں کہ وہ دانشمند بھی ہو۔

اسی لیے یونیورسٹی کی ذمہ داری کیمپس کی چار دیواری سے کہیں آگے جاتی ہے۔

وہ معاشرے کی فکری عادتیں تشکیل دیتی ہے۔

ہر گریجویٹ سے پوچھا جانے والا اصل سوال

شاید اب یونیورسٹیوں کو طلبہ سے پوچھا جانے والا سوال بدلنا چاہیے۔

صرف یہ نہ پوچھیں:

"اس ڈگری سے آپ کو کون سی ملازمت ملے گی؟"

اس کے ساتھ یہ بھی پوچھیں:

"یہ تعلیم آپ کو کیسا انسان بنائے گی؟"

پہلا سوال اہم ہے۔

لیکن دوسرا سوال تہذیب کے مستقبل کا تعین کرتا ہے۔

ہمیں ایسے انجینئر چاہییں جو پل بنانا جانتے ہوں، مگر یہ بھی سمجھتے ہوں کہ عوامی سلامتی پر سمجھوتہ کب ہو رہا ہے۔

ہمیں ایسے کاروباری رہنما چاہییں جو دولت پیدا کرنا جانتے ہوں، لیکن استحصال کے نتائج بھی سمجھتے ہوں۔

ہمیں ایسے سائنس دان چاہییں جو نئی ٹیکنالوجی ایجاد کر سکیں، مگر یہ سوال بھی اٹھا سکیں کہ جو کچھ ممکن ہے، کیا اسے کرنا بھی ضروری ہے؟

ہمیں ایسے ریاضی دان چاہییں جو پیچیدہ نظاموں کے ماڈل بنا سکیں، مگر یہ بھی سمجھتے ہوں کہ انسانوں کو ہمیشہ کسی مساوات کے متغیرات میں محدود نہیں کیا جا سکتا۔

اور ہمیں ایسے شہری چاہییں جو اختلاف کرتے ہوئے بھی عقل، دلیل اور احترام کا دامن نہ چھوڑیں۔

جامعہ کو معیشت کی خدمت ضرور کرنی چاہیے، مگر اس کی غلام نہیں بننا چاہیے۔ اسے صنعت سے تعاون کرنا چاہیے، مگر اپنی فکری آزادی قربان نہیں کرنی چاہیے۔ اسے کارکردگی ناپنی چاہیے، مگر اعداد و شمار کی پرستش نہیں کرنی چاہیے۔

اسے تحقیق کرنی چاہیے، مگر اشاعت کو دانشمندی کا مترادف نہیں سمجھنا چاہیے۔ اور اسے طلبہ کو روزگار کے لیے تیار کرنا چاہیے، مگر انسان کو صرف ملازم میں تبدیل نہیں کرنا چاہیے۔

کیونکہ تعلیم کی حقیقی کامیابی صرف اس سے نہیں ناپی جا سکتی کہ گریجویٹ کتنا کماتا ہے۔ اصل پیمانہ یہ بھی ہے کہ وہ کتنی آزادی سے سوچتا ہے، کتنی ذمہ داری سے عمل کرتا ہے اور اپنے سامنے آنے والی دنیا کا کتنی دانشمندی سے سامنا کرتا ہے۔

ایسی ہی یونیورسٹی کو بچانے، مضبوط کرنے اور مستقبل کے لیے محفوظ رکھنے کی ضرورت ہے۔

مکاتبِ اسلامیہ میں بہتر نظامِ تعلیم: وقت کی اہم ضروت

علم نور ہے جس کی روشنی میں ابن ادم شب دیجور میں بھی جانب منزل بلا کسی خوف و خطر چلتا رہتا ہے۔ ہر قوم کی بلندی و پستی اور عروج و زوال کا راز قومی شعائر کے علم میں پنہاں ہے۔ جس قوم نے بھی اپنی تہذیب و تمدن کو بھلا دیا اور اپنی نئی نسل کے قلوب و اذہان میں مسلک و مذہب کی باتوں کو راسخ نہ کیا وہ قوم تزلزل و تضلیل کی شکار ہو گئی۔ نسل کی تعلیم و تربیت اگر اعلیٰ پیمانے پر ہو رہی ہو گو کہ وہ گروہ فی الحال تنزلی و پسماندگی کا شکار ہو اور زمانے کے تھپیڑوں نے اسے بہت پیچھے چھوڑ دیا ہو لیکن یہی تعلیم پانے والی نسل مستقبل میں اپنی قوم کو بام عروج تک پہنچا دے گی۔ اور اگر نسل بغیر علم و تہذیب کے پروان چڑھ رہی ہو گرچہ وہ قوم اپنے وقت کا تابندہ ستارہ ہو، مرور ایام کے ساتھ اس کی تابندگی و تابانی مدھم ہوتے ہوئے نظر آئے گی، پھر ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ وہ روشن چراغ بالکل گل ہو جائے گا۔ زندہ قوم کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنی نسل کی حفاظت کو اپنی حفاظت سمجھتی ہے۔ اپنی ذریت کی کامیابی و کامرانی کو اپنی فتح تصور کرتی ہے۔ اور اپنی نسل کی بے راہ روی کو اپنے مستقبل کے تاریک اور اپنے زوال کا داغ بیل ڈالنا خیال کرتی ہے۔

آج معاشرے کے حالات جو خراب سے خراب تر ہوتے جا رہے ہیں اس کی واحد وجہ یہ ہے کہ بچوں کو دینی تعلیم سے کما حقہ آشنا نہیں کیے جا رہے ہیں۔ بچیاں مرتد ہو رہی ہے کیونکہ ان کو سیرت امہات المومنین و سیرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالی عنہم سے آگاہ نہیں کیے جا رہے ہیں۔ نوجوان بد مذہبوں سے اپنا رشتہ جوڑ رہے ہیں سبب یہ ہے کہ ان کو عشق مصطفیٰ ﷺ کا جام نہیں پلایا جا رہا ہے اور عقائد اہل سنت و معمولات اہل سنت کی تعلیم نہیں دی جا رہی ہے۔

اس بحران پر قابو پانے کے لیے سب سے پہلے مکاتب اسلامیہ کے نظام تعلیم کا جائزہ لیا جائے، جہاں نظام درست نہیں ہے وہاں تعلیمی نظام کو بہتر بنایا جائے، جس جگہ نصاب ناقص ہے اس جگہ کے نصاب کو ایسا جامع و کامل بنایا جائے کہ اس نصاب کو پڑھنے کے بعد بچے اپنے ایمان و عقیدے کی حفاظت کر سکیں، فرق باطلہ کے ناپاک سازشوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھ سکیں اور اگر ایمان کے لٹیروں سے سابقہ پڑ جائے، تو عشق مصطفی سے شرسار ہو کر بے باکی کے عالم میں پکار اٹھیں۔

کروں تیرے نام پہ جاں فدا نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا کروں کیا کروڑوں جہاں نہیں

پوری امت مسلمہ کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ سب سے پہلے مکاتب اسلامیہ کے نظم و نسق کو بہتر و عمدہ بنائیں۔ نصاب میں وہ تمام چیزیں داخل کریں کہ اگر قوم کے بچے اور بچیاں ان مکاتب سے بنیادی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے مدارس اسلامیہ کا رخ نہ کر سکیں، اس وقت بھی وہ مستشرقین و فرق باطلہ کی جانب سے ہونے والے شکوک و شبہات سے تزلزل و تذبذب کا شکار نہ ہوں۔ وجہ یہ ہے کہ مکاتب میں پڑھنے والے سو فیصد طلباء میں سے بمشکل دو فیصد طلباء اعلیٰ تعلیم کے لیے مدارس اسلامیہ کا رخ کرتے ہیں۔ اور اعلیٰ تعلیم کا علم ہر فرد پر لازم و ضروری بھی نہیں ہے کیونکہ قران کریم میں اللہ تبارک و تعالی ارشاد فرماتا ہے:

"وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْۤا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ۠. (توبہ،۱۲۲)

ترجمہ: اور مسلمانوں سے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سب کے سب نکل جائیں تو ان میں ہر گروہ میں سے ایک جماعت کیوں نہیں نکل جاتی تاکہ وہ دین میں سمجھ بوجھ حاصل کریں اور جب ان کی طرف واپس آئیں تو وہ انہیں ڈرائیں تاکہ یہ ڈر جائیں۔ (کنز الایمان)"

لیکن اسلام کی بنیادی معلومات کا علم ہر ہر فرد پر فرض عین ہے۔ تو جو طلبہ بمجبوری تعلیم کا سلسلہ بند کر کے ذریعہ معاش میں لگ جاتے ہیں یا عصری علوم کی تحصیل کے لیے اسکول و کالج وغیرہ کا رخ کر لیتے ہیں، ان کو مکاتب ہی میں اتنا راسخ الاعتقاد بنا دیا جائے کہ اگر وہ کفر و شرک میں ڈوبے ہوئے گاؤں میں بھی بود و باش اختیار کر لیں تو وہاں بھی وہ اپنے شعار کو پس پشت نہ ڈالیں اور اس آلودگی سے اپنے آپ کو محفوظ رکھ سکے۔

اس لیے مکاتب اسلامیہ میں پڑھنے والے بچے اور بچیوں کے والدین کی ذمہ داری ہے اور ان میں پڑھانے والے اساتذہ کا فرض منصبی ہے کہ نظام تعلیم کو بہتر سے بہتر بنانے کی حتی المقدور کوشش کریں تاکہ جب وہ مکاتب سے نکل کر کسی یونیورسٹی وغیرہ کا رخ کریں تو وہاں ہر کس و ناکس سے دینی معلومات حاصل نہ کریں، حق و باطل کے مابین امتیاز پیدا کر سکیں اور دین کے لٹیروں سے اپنے آپ کی حفاظت کر سکیں۔ انہیں مکاتب سے معاشرے میں ہونے والے خرافات کو ختم کر کے معاشرے کو امن و سانتی کا گلستان بنایا جا سکتا ہے اور بڑھتے ہوئے ارتداد کے فتنے کا سد باب کیا جا سکتا ہے۔ ورنہ اگر اس میں لاپرواہی بڑھتی جائے تو یہی لاپرواہی و کوتاہی آنے والے زمانے میں کسی بڑے خطرے کا پیش خیمہ بن سکتی ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں حق جاننے اور سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے،

علم کی تلاش

شرف الدین سید بنگلورو

کبھی کبھی علم چراغ نہیں، آئینہ بن کر ہمارے سامنے آتا ہے۔ جوں جوں انسان اس کی گہرائی میں اترتا ہے، حقیقت کی نئی پرتیں کھلتی جاتی ہیں اور اپنی لاعلمی کا احساس بھی گہرا ہوتا جاتا ہے۔

شاید علم کی پہلی علامت یہی ہے کہ انسان اپنے علم پر ناز کرنے کے بجائے اپنی لاعلمی کو پہچان لے۔

مگر ہمارے عہد میں معلومات کی فراوانی نے علم کے ساتھ ایک نیا زعم بھی پیدا کر دیا ہے۔ سماجی، فکری، مذہبی، ثقافتی اور تعلیمی میدانوں میں سرگرم بعض لوگ خود کو دوسروں سے زیادہ باشعور سمجھنے لگتے ہیں۔ پھر اختلاف مکالمہ نہیں رہتا اور دوسرا انسان صرف "غلط" دکھائی دیتا ہے۔ خود احتسابی پیچھے رہ جاتی ہے، دوسروں کا احتساب آگے۔ اپنے آپ کو ہر وقت درست سمجھنا، علم نہیں؛ انا کی ایک نفیس صورت ہے۔ سوشل میڈیا نے اس تضاد کو اور نمایاں کر دیا ہے۔ چند ریلز، چند جملے اور چند ہزار پیروکار اچانک شہرت دے سکتے ہیں۔ اظہار کی آزادی اپنی جگہ، مگر اصل امتحان اظہار کے بعد شروع ہوتا ہے۔

ایک نازیبا تبصرہ آتا ہے، جواب میں اس سے کہیں زیادہ سخت زبان استعمال ہوتی ہے۔ ایک گمنام شخص کی گالی ہمارے پورے مزاج کو اپنے قبضے میں لے لیتی ہے۔ ہم اسے جواب دیتے دیتے اپنا وقار کھو بیٹھتے ہیں۔ ہر اشتعال کا جواب دینا آزادی نہیں؛ کبھی اپنے ردِ عمل پر قابو رکھنا ہی اصل آزادی ہے۔

علم صرف یہ جاننا نہیں کہ ہم کیا جانتے ہیں؛ یہ بھی ہے کہ جاننے کے بعد ہم کیسے رہتے ہیں۔ علم زبان سے زیادہ رویے میں ظاہر ہوتا ہے۔ وہ دوسروں کو زیر کرنے کا ہنر نہیں، اپنے نفس کو قابو میں رکھنے کی صلاحیت ہے۔

جس علم سے عاجزی نہ آئے، وہ ادھورا ہے۔ جس سے دل وسیع نہ ہو، وہ ابھی سطح پر ہے۔

علم ٹھہرا ہوا پانی نہیں، بہتی ہوئی ندی ہے۔ اسی لیے حقیقی طالبِ علم کے لیے "میں نہیں جانتا" شکست نہیں، علم کے دروازے پر پہلی دستک ہے۔

علم آزاد فکر، تحقیق، سوال اور اپنی رائے پر نظرِ ثانی کا حوصلہ ہے۔ کسی مقبول خیال کو بغیر سوچے قبول کر لینا علم نہیں۔ علم تو ذہن کو سوال کی آزادی دیتا ہے اور انسان کو اپنی غلطی تسلیم کرنے کا حوصلہ بھی۔

آخرکار علم ہمیں دوسروں کے عیبوں سے زیادہ اپنے نقائص دکھانے لگتا ہے۔ تب انسان دوسروں کو بدلنے سے پہلے خود کو بدلنے کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔

شاید یہی علم اور دانائی کے درمیان فاصلہ ہے: معلومات بتاتی ہیں کہ دنیا کیا ہے؛ علم پوچھتا ہے کہ کیوں ہے؛ اور دانائی سکھاتی ہے کہ اس علم کے ساتھ جینا کیسے ہے۔ تو پھر سوال میرے سامنے بھی ہے: علم کیا ہے، اور علم کا دعوے دار میں کون ہوں؟ میں ابھی سفر میں ہوں۔ ہر جواب کے پیچھے ایک نیا سوال لیے۔ آپ بھی ساتھ چلیں—

کسی کو جاہل ثابت کرنے کے لیے نہیں، اپنی لاعلمی کو پہچاننے کے لیے۔ کیونکہ علم کی سب سے بڑی روشنی وہ ہے جس میں انسان کو دوسروں سے زیادہ نہیں، اپنے آپ کو پہلے سے کچھ کم سمجھ آنے لگے۔

شاید اسی لمحے علم، معلومات سے نکل کر کردار بننا شروع ہوتا ہے۔!!!

Weekly The
NEPAL URDU TIMES
Reg.No: 5310 -2082/2083 - www.nepalurdutimes.com
ہفت روزہ
نیپال اردو ٹائمز

جنتر منتر احتجاج کی منسوخی پر ملت میں مایوسی پُر امن احتجاج کے دیگر راستے اختیار کرنے کی اپیل

(مولانا ڈاکٹر) ابوالکلام قاسمی شمسی

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ ملک و ملت کا باوقار ادارہ ہے، اس پر ملت اسلامیہ کے ساتھ حکومت کا بھی بھروسہ اور اعتماد ہے، اس لئے خراب وقت میں لوگوں کی نظر اس ادارے کی جانب ہوتی ہے، موجودہ وقت میں بھی اس ادارہ کو ملت اسلامیہ کا بھرپور اعتماد حاصل ہے۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا تعلق مسلم پرسنل لا یعنی مسلم عائلی قوانین سے ہے، چونکہ عائلی قوانین کا تعلق تمام مسلم سماج سے ہے، اس طرح اس کے تحفظ کی ذمہ داری تمام مسلمانوں اور تمام مسلم اداروں پر ہے، اس لئے الگ سے اس کے لئے کوئی جماعت کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی اور نہ موجودہ وقت میں اس کی ضرورت ہے، کیونکہ تمام مسلمان اور تمام مسلم ادارے اس کے ممبر ہیں، یہی وجہ رہی کہ اس میں ہر مسلک اور ہر مکتب خیال کے لوگوں کو شامل کیا گیا اور ابتداء میں اس کی رعایت بھی دیکھنے میں آئی، غالباً اس میں کسی سطح پر کمی آگئی کہ اس کی پوری رعایت نہ ہوئی اور مسلم سماج کے لوگ منتشر ہونے لگے اور الگ الگ مسلم پرسنل لا بورڈ کے نام سے تنظیم قائم کرلی اور بورڈ نے اس جانب توجہ نہ دی، یہ بورڈ کے لئے لمحہ فکریہ ہے اور اس کی ضرورت ہے کہ تمام ملی اور مضبوط سماجی تنظیموں کو جوڑا جائے، تاکہ بورڈ کی طاقت مضبوط ہو، کیونکہ اس کے ممبران ان ہی تنظیموں سے منسلک لوگ ہیں، پھر بھی موجودہ وقت میں یہ ادارہ غنیمت ہے اور ملت کی بڑی اکثریت کا اس پر اعتماد ہے۔

ہندوستان ایک جمہوری ملک ہے، یہاں آئین کی حکومت ہے، یہاں آئین کو بالادستی حاصل ہے، ملک میں عدل و انصاف قائم کرنے کے لئے کورٹ اور سپریم کورٹ ہے، ملک کے آئین میں بالخصوص اقلیتوں کے بنیادی حقوق کا ذکر ہے، جس میں انہیں مذہبی، لسانی اور ثقافتی آزادی کے حقوق دیئے گئے ہیں، پھر میں ملک میں مسلم اقلیتی طبقہ کے لوگ پریشان ہیں، غیر قانونی کہہ کر مساجد پر بلڈوزر چلائے جارہے ہیں، مدارس بند کئے جارہے ہیں، ماب لنچنگ کی جارہی ہے، اوقاف کے خلاف قانون بنادیئے گئے ہیں، یو سی سی یعنی یونیفارم سول کوڈ کے ذریعے مسلم پرسنل لا میں مداخلت کی جارہی ہے، ان کی مادری زبان کو محدود کرنے کی سازش کی جارہی ہے، ایسے حالات میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے دہلی کے جنتر منتر پر ۱۷ر ستمبر ۲۰۲۶ء کو پر امن، ملک کے آئین اور ملکی قوانین کے دائرے میں رہ کر احتجاج کا اعلان کیا، یہ قابل ستائش عمل تھا، پھر بھی خبر کے مطابق دہلی پولس نے اجازت کے بعد اجازت کو رد کردیا، جس کی وجہ سے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی جانب سے احتجاجی پروگرام نہیں کیا گیا، جبکہ بڑی تعداد میں لوگ دہلی پہنچ چکے تھے، جس کی وجہ سے ملت میں مایوسی ہے اور کچھ لوگوں میں بیزاری بھی ہے، حالانکہ ملک کے حالات سے ہم سبھی واقف ہیں، پروگرام کی منسوخی کو اسی تناظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔

جہاں تک مسلم پرسنل لا یعنی مسلم عائلی قوانین کی بات ہے تو بہت سے مسائل ایسے ہیں، جن میں حکومت نے مداخلت کی ہے، ان میں سے بابری مسجد کی شہادت، تین طلاق کا معاملہ، اوقاف ترمیمی بل، مساجد کی شہادت، مدارس کے خلاف قوانین وغیرہ قابل ذکر ہیں، اب تو بہت سے اسٹیٹ میں یونیفارم سول کوڈ کے نفاذ کا اعلان کیا جاچکا ہے، یہی نہیں، بلکہ ماب لنچنگ، کھلی جگہ میں عبادت، شعائر اسلام پر حملے وغیرہ عام ہیں، گرچہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا دائرہ عائلی قوانین تک محدود ہے، پھر بھی وقت اور حالات کی وجہ سے بورڈ دیگر مسلم مسائل پر بھی غور و فکر کرنے پر مجبور ہے، عائلی مسائل پر حکومت کی جانب سے مداخلت اور مسلم سماج کے لوگوں پر غلط عناصر کے ذریعہ حملے اور حکومت کی خاموشی پر احتجاج درج کرانا موجودہ وقت کا تقاضہ ہے۔

جمہوری ملک میں آئین کے خلاف حکومت کام کرتی ہے تو متاثرین کو اس کے خلاف آئین کے دائرے میں رہتے ہوئے پر امن احتجاج کا حق ہے، ملک کا آئین اس کی اجازت دیتا ہے، ملک کا آئین قانونی چارہ جوئی کا بھی حق دیتا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ ملک میں جس طرح کے حالات ہیں، مسئلہ صرف احتجاج کا نہیں ہے، بلکہ اس کے ساتھ بہت سے مسائل بھی پیدا ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے ملک کے علماء اور دانشوران نے موجودہ وقت میں کھلی جگہ میں احتجاج سے بچنے کا اعلان کیا ہے، مگر محفوظ مقامات پر آئین اور قوانین کے دائرے میں رہ کر احتجاج کیا جاسکتا ہے۔ آج کل فاسٹ میڈیا کا دور ہے، محفوظ مقامات کے احتجاج کی آواز بھی بڑی تیزی سے پھیلتی ہے، اس لئے جنتر منتر پر پر امن احتجاج کے لئے کاروائی جاری رکھتے ہوئے محفوظ مقامات میں احتجاج کا پروگرام طے کرنا وقت کا تقاضہ ہے۔ احتجاج درج کرانے کی بہت سی شکلیں ہیں، فوری طور پر ان کا استعمال کرنا چاہئے، خود مسلم پرسنل لا بورڈ نے ایک مرتبہ رات میں متعین وقت پر لائٹ بند کر کے احتجاج کا اعلان کیا تھا، جو بہت کامیاب رہا، اس طرح یا اس کے متبادل کا پروگرام بنایا جاسکتا ہے۔

بہر حال ظلم کے خلاف خاموشی سے ظالم کا حوصلہ بلند ہوتا ہے، اس لئے ظلم کے خلاف ملک کے آئین اور قانون کے دائرے میں رہ کر پُرامن آواز بلند کرنا اور قانونی چارہ جوئی کرنا یا حکمت عملی طے کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے، موجودہ خراب حالات میں ملی قیادت کو مضبوط کرنا ملت اسلامیہ کا فریضہ ہے، اللہ تعالیٰ ہماری ملی قیادت کو مضبوطی دے اور ہم سبھی کو ملی قیادت کو مضبوط کرنے کی توفیق عطا فرمائے، جزاکم اللہ خیراً

Abul Kalam Qasmi Shamsi
Ex-Principal Madrasa
Islamia Shamsul Hoda
Patna - 800006
Mob- +91-9835059987

عداوت میں کیا ایمان کا سودا؟

از قلم: مفتی کلام الدین نعمانی، نائب ایڈیٹر

پوری کائنات میں اسلام ہی وہ مذہب ہے جو آفاقی بھی ہے اور فطری بھی، اس کی خوبیوں، تعلیمات اور حسن نظام کو بیان کرتے ہوئے دنیا کے اہل فکر و نظر کبھی نہیں تھکتے، حتیٰ کہ دیگر مذاہب کے ماننے والے بھی اس کی بہت سی خوبیوں کے معترف ہیں، اگرچہ اس کے باوجود اسلام کی مخالفت اور اسے دبانے کی کوششیں ہر دور میں جاری رہی ہیں، لیکن اسلام وہ حقیقت ہے جس کی فطرت میں اللہ تعالیٰ نے ایسی لچک رکھی ہے کہ اسے جتنا دبانے کی کوشش کی جائے، وہ اتنا ہی ابھر کر سامنے آتا ہے۔

ہر دور میں اسلام، مسلمانوں اور اہلِ حق کو دبانے کی ناپاک کوششیں کی گئیں، مگر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہر مرتبہ معاندین اسلام کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا اور بالآخر انہیں ذلت و رسوائی ہی نصیب ہوئی۔

عداوت ایک ایسی مذموم صفت ہے جس کی قباحت اور برائی کے بارے میں بے شمار وعیدیں وارد ہوئی ہیں، لیکن افسوس کہ ہمارے بعض علما اور عوام ان خرابیوں سے واقف ہونے کے باوجود اس بیماری میں مبتلا نظر آتے ہیں۔

تاریخ اس حقیقت کی گواہ ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کو جتنا نقصان بیرونی دشمنوں سے نہیں پہنچا، اس سے کہیں زیادہ نقصان اپنوں میں چھپے غداروں اور منافقین سے پہنچا ہے۔ زمانۂ رسالت ہو یا بعد کے ادوار، منافقین نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر دنیاوی مفادات اور دولت کی حرص میں دشمنان اسلام کا ساتھ دیا اور اسلام، اہلِ ایمان، مساجد اور مدارس کو نقصان پہنچانے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔

عصر حاضر میں اگرچہ وہ منافقین موجود نہیں جن کا ذکر عہدِ رسالت میں ملتا ہے، لیکن ان کی صفات اور طریقِ کار سے متصف انسان آج بھی اپنی ذمہ داریاں اسی انداز میں نبھاتے دکھائی دیتے ہیں۔

زمانۂ رسالت کے منافقین ہوں یا عہدِ صحابہ و تابعین کے فتنے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے قتل کا معاملہ ہو یا تابعین کے درمیان اختلاف و انتشار پیدا کرنے کی کوشش، اسلامی سلطنتوں کو تباہ و برباد کرنے کا مسئلہ ہو یا علمائے کرام کو سلاخوں کے پیچھے پہنچانے کا معاملہ، ہر دور میں ایسے عناصر اپنا کردار ادا کرتے رہے ہیں۔ آج اسلامی ممالک کے درمیان باہمی کشمکش اور دست و گریباں ہونے کے پس منظر میں بھی ایسے ہی عناصر کے کردار اہم ہیں۔

اسی طرح ہندوستان میں بعض شرعی مسائل میں تبدیلی کے معاملے میں بھی ایسے عناصر نے حکومت اور دیگر مخالف قوتوں کا ساتھ دے کر شریعت کے بعض احکام میں رد و بدل کی راہ ہموار کی۔ خواہ طلاق کا مسئلہ ہو، نقاب کا معاملہ ہو، غیر شرعی ترانے گانے کا مسئلہ ہو یا ہندوستان کے مدارس کو مسمار کرنے کی کوشش، ہر جگہ ان عناصر کی سرگرمیاں نظر آتی ہیں۔

آج اگر ہند و نیپال کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو کہیں علمائے کرام کو سلاخوں کے پیچھے ڈالنے کی کوششیں دکھائی دیتی ہیں اور کہیں مساجد و مدارس کو مسمار کرنے کے واقعات سامنے آتے ہیں۔

ابھی حال ہی میں نیپال میں ایک بنات کے بند ہونے کی خبر سامنے آئی ہے۔ اس صورتِ حال کے پسِ پشت بھی اپنوں کی عداوت، حسد اور باہمی منافرت نے اپنا کردار ادا کیا ہے۔ افسوس کا مقام یہ ہے کہ بعض لوگ ایک بنات کو بند کروا کر اس بات پر خوشی ظاہر کر رہے ہیں کہ انہوں نے فلاں کا بنات بند کروادیا، اور گویا کوئی بڑی فتح حاصل کرلی۔

بلاشبہ ایسی کامیابی منافقانہ سوچ رکھنے والے انسان کے لیے فتح کا ہو سکتی ہے، لیکن ایک حقیقی مسلمان اور اہلِ علم کے لیے یہ کسی فتح کی خبر نہیں، بلکہ انتہائی افسوس اور الم کی بات ہے کہ علم کا ایک روشن مینار بجھ گیا اور ایک علمی مرکز اپنے وجود سے محروم ہوگیا۔ اس کا دوسرا بڑا نقصان یہ ہے کہ اس واقعے سے غیروں کے حوصلے مزید بلند ہوتے ہیں۔ انہیں یہ پیغام ملتا ہے کہ آج ایک مدرسہ بند کروانے میں کامیابی حاصل ہوئی ہے، تو مستقبل میں مزید مدارس بھی بند کروائے جا سکتے ہیں اور انہیں مسمار کرنے کی راہ بھی ہموار کی جاسکتی ہے۔

ناچیز کی بس اتنی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان منافق صفت انسانوں اور فتنہ پرور مولویوں کو عقلِ سلیم عطا فرمائے، ان کے دلوں سے عداوت، حسد اور بغض کو دور فرمائے اور انہیں راہِ حق پر ثابت قدم رہنے اور حق و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

سوال احتجاج کا نہیں، اقلیتوں کے آئینی اعتماد کا ہے۔

محمد مسلم کبیر، لاتور

جمہوریت میں حکومتیں صرف قانون نہیں بناتیں، عوام کے اعتماد کی حفاظت بھی کرتی ہیں۔ اقتدار صرف فیصلے کرنے کا اختیار نہیں بلکہ اختلاف سننے کی ذمہ داری بھی ہے۔ اور جب معاملہ کسی اقلیتی طبقے کے مذہبی، شخصی اور آئینی حقوق سے وابستہ ہو تو حکومت کی ذمہ داری مزید بڑھ جاتی ہے۔

آج ملک میں یکساں سول کوڈ کے نام پر جو بحث جاری ہے، وہ محض شادی، طلاق، وراثت یا خاندانی معاملات کی قانونی بحث نہیں رہی۔ یہ بحث اب مذہبی آزادی، اقلیتی حقوق، آئینی مساوات، ریاستی اختیار اور جمہوری احتجاج تک پھیل چکی ہے۔ اور اسی پس منظر میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کو دہلی کے جنتر منتر پر احتجاج کی اجازت نہ ملنا اور اس کے بعد پریس کانفرنس میں پیدا ہونے والی مبینہ بدنظمی ایک معمولی انتظامی واقعہ سمجھ کر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

دہلی پولیس نے، دستیاب رپورٹس کے مطابق، دہلی کے جنتر منتر پر مسلم پرسنل لاء بورڈ کے احتجاج کی اجازت نہ دینے کے لیے بڑے اجتماع اور ہجوم کو سنبھالنے میں دشواری کے خدشات کا حوالہ دیا۔ پرسنل لاء بورڈ کی جانب سے یہ مؤقف سامنے آیا کہ اس نے احتجاج کو پُرامن رکھنے اور مقررہ تعداد کے اندر رکھنے کی یقین دہانی کرائی تھی۔ انتظامیہ سے سوال یہ ہے کہ اگر خدشہ ہجوم کا تھا تو شرائط کیوں نہیں؟ متبادل مقام کیوں نہیں؟ تعداد کی حد کیوں نہیں؟ انتظامی نگرانی کیوں نہیں؟ یہ سوال اس لیے بھی اہم ہے کہ اسی روز دہلی ہائی کورٹ نے ایک الگ احتجاج کے معاملے میں پولیس سے پوچھا کہ اگر انتظامی پابندیاں ضروری ہوں تو مکمل ممانعت کے بجائے متبادل مقام یا شرائط کے ذریعے پُرامن احتجاج کی اجازت کیوں نہیں دی جاسکتی؟ اگرچہ کہ یہ عدالتی معاملہ مسلم پرسنل لا بورڈ کے احتجاج سے الگ ہے، لیکن جمہوری احتجاج کے حق کے حوالے سے ایک اہم اصولی سوال ضرور سامنے لاتا ہے۔

آخر مسلم پرسنل لا بورڈ چاہتا کیا ہے؟

مسلم پرسنل لا بورڈ کی موجودہ مہم کو صرف "UCC کی مخالفت" کہہ دینا شاید اس کے پورے موقف کی ترجمانی نہیں کرتا۔ بورڈ نے اپنی تین ماہ کی مہم کو آئین، مذہبی آزادی اور مسلم پرسنل لا کے تحفظ سے جوڑا ہے۔

اس مہم کے تحت ملک کے مختلف حصوں میں عوامی بیداری پروگرام، قانونی کنونشن اور مختلف مذہبی و سماجی طبقات سے رابطے کی بات کی گئی ہے۔ بورڈ کا بنیادی اعتراض یہ ہے کہ مسلمانوں کے نکاح، طلاق، وراثت اور خاندانی معاملات سے متعلق مذہبی اصولوں کو کسی ایسے یکساں قانونی نظام کے ذریعے تبدیل نہ کیا جائے جسے وہ اپنی مذہبی آزادی سے متصادم سمجھتا ہے۔

بورڈ نے UCC کے خلاف قانونی راستہ بھی اختیار کیا ہے۔ اتراکھنڈ کے UCC کے خلاف اس نے ہائی کورٹ سے رجوع کیا، جبکہ گجرات کے UCC قانون کے خلاف بھی عدالتی چیلنج کا اعلان کیا گیا ہے۔ یعنی معاملہ صرف سڑک پر احتجاج کا نہیں؛ پارلیمنٹ، اسمبلی، عدالت اور عوام، چاروں محاذوں پر ایک آئینی بحث جاری ہے۔

دوسری طرف حکومت نے UCC کو محض ایک وقتی سیاسی مسئلہ قرار نہیں دیا بلکہ اسے اپنے وسیع تر قانونی و سیاسی ایجنڈے کا حصہ بنایا ہے۔ مرکزی وزیر داخلہ امیت شاہ نے ۱۳ ستمبر ۲۰۲۶ کو ممبئی میں یہ بیان دیا کہ این ڈی اے کے زیر اقتدار ۲۱ ریاستوں میں ۲۰۲۹ کے لوک سبھا انتخابات سے پہلے UCC نافذ کیا جائے گا۔ اس کا مطلب صاف ہے کہ UCC کی بحث اب محض نظریاتی بحث نہیں رہی؛ بلکہ کئی ریاستوں میں قانون سازی اور نفاذ کی سمت میں عملی اقدامات ہوچکے ہیں۔ اِدھر حکومت مہاراشٹر میں UCC کے لیے سات رکنی کمیٹی قائم کیے جانے کی اطلاع دی ہے۔

یکساں قانون یا یکساں شناخت؟

حکومت کے لیے UCC قانونی مساوات کا سوال ہے۔ اور مسلم پرسنل لا بورڈ کے لیے یہی معاملہ مذہبی آزادی اور شخصی قانون کے تحفظ کا سوال ہے۔ یہاں ایک نہایت باریک فرق ہے جسے سیاسی شور میں اکثر نظر انداز کردیا جاتا ہے۔ وہ ہے "قانونی یکسانیت اور ثقافتی یکسانیت ایک چیز نہیں۔"

اگر حکومت کہتی ہے کہ تمام شہریوں کے لیے شادی، طلاق، وراثت اور دیگر شہری معاملات میں ایک قانون ہونا چاہیے تو اسے یہ بھی واضح کرنا ہوگا کہ اس یکسانیت کی حدود کیا ہیں، اس میں مذہبی آزادی کے آئینی حق کی حفاظت کس طرح ہوگی اور مختلف برادریوں کی مخصوص روایات کے ساتھ قانونی توازن کیسے قائم ہوگا؟ جبکہ کسی مذہب کے پیروکار اپنے مذہبی امور یا شریعت سے موافقت رکھتے ہیں اور انہیں اپنے مذہبی شرائط، شریعت سے کوئی اعتراض نہیں ہے تو ان پر کوئی اور قانون نافذ کرنا اُن کے آئینی حقوق کی پامالی تو نہیں ہوگی۔ یہ بھی دیکھنا چاہیے۔

دوسری طرف مسلم قیادت کو بھی یہ واضح کرنا ہوگا کہ وہ کن مخصوص دفعات کی مخالفت کرتی ہے، کیوں کرتی ہے اور ان معاملات میں آئینی و قانونی متبادل کیا پیش کرتی ہے۔ محض "شریعت خطرے میں ہے" کہنا کافی نہیں۔ اور حکومت کی جانب سے کسی مخصوص طبقے کی مخاصمت میں "سب کے لیے ایک قانون" کا اعلان بھی کافی نہیں بلکہ دستور کی زبان میں جواب دینا ہوگا۔

دستور ہند کے بنیادی آرٹیکل ۲۵ اور ۴۴ دونوں بھی حکومت کے سامنے۔۔۔

دستور ہند کے معمار ڈاکٹر باباصاحب امبیڈکر کیا چاہتے تھے؟

یکساں سول کوڈ کی بحث میں ڈاکٹر باباصاحب امبیڈکر کا نام اکثر لیا جاتا ہے، مگر ان کے اصل الفاظ اور دستور ساز اسمبلی کی بحث کو پڑھنا اس سے کہیں زیادہ ضروری ہے کہ ان کے نام پر اپنی اپنی تشریحات پیش کی جائیں۔ ۲۳ نومبر ۱۹۴۸ کو دستور ساز اسمبلی میں اس وقت کے مجوزہ آرٹیکل ۳۵ پر بحث ہوئی، جو بعد میں موجودہ آرٹیکل ۴۴ بنا۔ ڈاکٹر امبیڈکر نے اس اعتراض کا جواب دیا کہ اتنے وسیع اور مختلف ملک میں یکساں سول کوڈ کیسے ممکن ہوگا۔ انہوں نے یاد دلایا کہ ہندوستان میں پہلے ہی متعدد شعبوں میں یکساں قوانین موجود ہیں۔ ان کے مطابق فوجداری قانون، فوجداری طریقۂ کار، جائیداد کی منتقلی اور دوسرے کئی قوانین پورے ملک میں یکساں نوعیت رکھتے ہیں۔ ان کے بیان میں بنیادی مسئلہ شادی اور وراثت جیسے معاملات کا تھا۔ لیکن ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر کے تصور کو سمجھنے کے لیے صرف یہ کہنا کافی نہیں کہ وہ UCC کے حامی تھے۔

اہم بات یہ ہے کہ دستور ساز اسمبلی نے یکساں سول کوڈ کو آئینی سمت تو دی، لیکن اسے اسی لمحے ہر شہری پر نافذ ہو جانے والا قانون نہیں بنایا۔ یہ فرق آج کی بحث میں بھی نظر انداز نہیں ہونا چاہیے

آئینِ ہند کا آرٹیکل ۲۵ ہر شخص کو ضمیر کی آزادی اور مذہب پر عمل، اس کی تبلیغ و اشاعت کا حق دیتا ہے، اگرچہ یہ حق امنِ عامہ، اخلاقیات، صحت اور آئین کے دیگر حصوں کے تابع ہے۔ دوسری طرف آرٹیکل ۴۴ ریاست کو پورے ملک میں شہریوں کے لیے یکساں سول کوڈ کے حصول کی کوشش کرنے کی ہدایت دیتا ہے۔ یہ دونوں حوالہ جات UCC کی بحث میں بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔

لہٰذا نہ یہ کہنا کافی ہے کہ "آرٹیکل ۴۴ موجود ہے، اس لیے UCC ہر حال میں نافذ ہونا چاہیے"، اور نہ یہ کہنا کافی ہے کہ "آرٹیکل ۲۵ مذہبی آزادی دیتا ہے، اس لیے شخصی قوانین میں کوئی تبدیلی ہوسکتی ہی نہیں۔" اصل آئینی سوال ان دونوں کے باہمی تعلق اور حدود کا ہے۔ یہی بحث پارلیمنٹ میں ہونی چاہیے۔ یہی بحث اسمبلیوں میں ہونی چاہیے۔ یہی بحث عدالتوں میں ہونی چاہیے۔ اور یہی بحث عوام کے درمیان بھی ہونی چاہیے۔

جنتر منتر کیوں اہم ہوگیا؟

جنتر منتر دہلی میں احتجاج کی ایک معروف جگہ ہے۔ اگر وہاں کسی تنظیم کو احتجاج کی اجازت نہیں ملتی تو انتظامیہ کے پاس یقیناً اپنی وجوہات ہوسکتی ہیں۔ لیکن جمہوریت میں وجہ صرف انتظامیہ کے دفتر میں فائل کا حصہ نہیں ہوتی؛ عوام کے اعتماد کے لیے اس کی شفاف وضاحت بھی ضروری ہوتی ہے۔ اگر پولیس کہتی ہے کہ ہجوم زیادہ ہوسکتا تھا تو سوال ہوگا: کیا تعداد محدود کی جاسکتی تھی؟ کیا وقت محدود کیا جاسکتا تھا؟ کیا شرائط عائد کی جاسکتی تھیں؟ کیا متبادل مقام دیا جاسکتا تھا؟ اور اگر ان سب امکانات پر غور کیا گیا تھا تو ان کی تفصیل عوام کے سامنے کیوں نہ آئے؟ یہ مسئلہ صرف مسلم پرسنل لا بورڈ کا نہیں۔ یہ ہر اس شہری کا سوال ہے جو کل کسی دوسرے مسئلے پر جنتر منتر یا کسی اور مقام پر پُرامن احتجاج کرنا چاہے گا۔

اور پھر پریس کانفرنس میں گڑبڑی یا سازش!

جنتر منتر پر احتجاج کی اجازت نہ ملنے کے بعد بورڈ نے پریس کانفرنس کے ذریعے اپنا موقف پیش کیا، مگر پریس کانفرنس کے دوران ایک چینل کی اینکر نے منتظم کے مکمل موقوف کے اظہار سے قبل ہی ہنگامے اور تلخ روی اختیار کرکے پریس کانفرنس میں گڑبڑی کرکے پریس کانفرنس کا نظم درہم برہم کردیا۔ بعد ازاں اس اینکر کے فون سے اپنے مالک سے بات کرنے پر یہ ظاہر ہوا کہ ایک سازش کے تحت یہ کام ہوا۔ یہاں دو اصول ایک ساتھ یاد رکھنے ہوں گے۔ پہلا: صحافی کو سوال کرنے کا حق ہے۔ دوسرا: پریس کانفرنس کرنے والے کو اپنا موقف پیش کرنے کا حق ہے۔ لیکن سوال ہو یا جواب، اختلاف ہو یا احتجاج، بدنظمی کسی بھی فریق کے حق میں نہیں۔ اگر کسی صحافی نے سخت سوال کیا تو جواب دلیل سے دیا جانا چاہیے۔ اگر کسی نمائندے نے اعتراض کیا تو وضاحت کی جانی چاہیے۔ اور اگر کسی طرف سے بدنظمی ہوئی تو اس کی غیر جانب دارانہ حقیقت سامنے آنی چاہیے۔ کیونکہ اگر پریس کانفرنس بھی سوال سے خوفزدہ ہونے لگے اور سوال کرنے والا بھی جواب سننے کو تیار نہ ہو تو پھر صحافت کہاں بچے گی اور مکالمہ کہاں؟

حکومت کی نیت پر سوالیہ نشان؟

یہاں حکومت کے بارے میں ایک بنیادی بات کہنا ضروری ہے۔ کسی ایک احتجاج کی اجازت نہ ملنے سے حکومت کی نیت کا قطعی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن سیاسی اعتماد فیصلوں سے بنتا ہے اور بعض فیصلے اعتماد کو مضبوط بھی کرتے ہیں اور کمزور بھی۔ ایک طرف UCC کو تیزی سے آگے بڑھانے کے اعلانات۔ دوسری طرف مسلم پرسنل لا بورڈ کی مخالفت۔ تیسری طرف جنتر منتر پر احتجاج کی اجازت نہ ملنے کی رپورٹس۔ چوتھی طرف پریس کانفرنس میں پیدا ہونے والی مبینہ کشیدگی۔ ان تمام واقعات کو ملا کر دیکھنے پر اقلیتی طبقات میں سوالات پیدا ہونا قابلِ فہم ہے۔

کیا اقلیت صرف ووٹ بنک ہے؟

یہ سوال آج پہلے سے زیادہ اہم ہے۔ اقلیت صرف انتخاب کے وقت یاد آنے والا ووٹ بینک نہیں۔ اقلیت بھی اسی دستور کی شہری ہے۔ اس کے مذہبی حقوق بھی آئینی ہیں۔ اس کی آزادئ اظہار بھی آئینی ہے۔ اس کا پُرامن احتجاج بھی جمہوری حق ہے، اگرچہ اس پر قانونی اور انتظامی پابندیاں آئینی معیار، معقولیت اور امنِ عامہ کے تقاضوں کے مطابق ہونی چاہئیں۔ اور اس کے خدشات سننا بھی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ اسی طرح اقلیتی قیادت کو بھی یہ سمجھنا ہوگا کہ آئین صرف حقوق نہیں دیتا، قانون کی پابندی اور جمہوری ذمہ داری بھی عائد کرتا ہے۔

مسلم قیادت بھی آئینہ دیکھے....

اس بحث میں حکومت سے سوال بہت ہیں، مگر مسلم قیادت سے بھی کم سوال نہیں۔ اگر UCC اتنا بڑا خطرہ ہے تو مسلم پرسنل لا بورڈ کو ملک کے عام مسلمانوں کو بتانا چاہیے کہ مجوزہ یا نافذ شدہ قوانین کی کون سی دفعات قابلِ اعتراض ہیں۔ ان کے قانونی متبادل کیا ہیں؟ خواتین کے حقوق کے حوالے سے بورڈ کا عملی ماڈل کیا ہے؟ وراثت، نکاح، طلاق اور خاندانی معاملات میں موجودہ نظام کے اندر اصلاح کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اور اگر ضرورت ہے تو اصلاح کی حدود کیا ہوں گی؟ یہ سوالات صرف مخالفین کے نہیں؛ یہ مسلم معاشرے کے اندر سے بھی اٹھنے چاہئیں۔ مسلم قیادت اگر صرف دفاعی سیاست کرے گی تو بحث دوسروں کے ہاتھ میں چلی جائے گی۔ اس کے برعکس اگر وہ دستور، قانون، فقہ اور جدید سماجی ضرورتوں کو سامنے رکھ کر اپنا متبادل پیش کرے گی تو بحث زیادہ سنجیدہ ہوگی۔ اسی طرح تمام مسلم سیاسی، سماجی، تعلیمی تنظیمیں، جماعتیں، پارٹیاں اس مسئلے کو لے کر عام مسلمانوں کے ساتھ حکومت کے ایوانوں تک آواز پہنچانا چاہیے۔

حکومت واضح کیوں نہیں کرتی۔۔۔؟

حکومت کو بھی یہ واضح کرنا ہوگا کہ UCC کا مقصد کیا ہے؟ کیا مقصد صرف شخصی قوانین میں یکسانیت ہے؟ کیا مقصد خواتین کے حقوق کا تحفظ ہے؟ کیا مقصد مذہب کی بنیاد پر قانونی فرق ختم کرنا ہے؟ اگر ایسا ہے تو اس کی ہر شق عوام کے سامنے رکھی جائے۔ عوام کو بتایا جائے کہ: نکاح کیسے ہوگا؟ طلاق کے اصول کیا ہوں گے؟ وراثت کیسے تقسیم ہوگی؟ گود لینے کے قواعد کیا ہوں گے؟ قبائلی اور دیگر مخصوص برادریوں کے لیے کیا ہوگا؟ اور مذہبی آزادی کے آئینی حقوق پر اس قانون کا کیا اثر ہوگا؟ خالی نعرہ نہیں، مکمل مسودہ چاہیے۔ خالی دعویٰ نہیں، آئینی جواز چاہیے۔ اب "اعتماد" کی ضرورت ہے... ہندوستان کی طاقت صرف یہ نہیں کہ یہاں ایک آئین ہے۔ ہندوستان کی طاقت یہ بھی ہے کہ ایک ہی آئین کے نیچے مختلف

آتشِ اردو کی کہانی تابش کی زبانی طنز و مزاح

انجینئر محمود اقبال
(+۹۱۹۵۷۷۲۷۹۰۳۶)

کیا آپ نے تابشؔ ردولوی کی منظوم "اردو کی کہانی، اردو کی زبانی" پڑھی ہے؟ نہیں نا؟ جب شائع ہی نہیں ہوئی ہے تو کیسے پڑھیں گے؟ مجازی معنوں میں آتشِ اردو کا مطلب ہے اردو کے لئے جوش و جذبہ۔ لگتا ہے تابشؔ، شائقین اردو ادب کے صبر کا امتحان لے رہے ہیں۔ فی الوقت تابشؔ کی "اردو کی کہانی، اردو کی زبانی" واٹس اپ پر گردش کر رہی ہے۔ گھومتے گھومتے ہمارے موبائل تک بھی پہنچ گئی۔ چلئے، چلتے چلتے ہم تھوڑا بہت جان لیتے ہیں کہ آخر، تابشؔ کی "اردو کی کہانی، اردو کی زبانی" آخر ہے کیا؟ حسب عادت ہم نے سرسری نظر ڈال کر اسے بند کر دیا تھا۔ چونکہ، ہم حمایت علی شاعرؔ کی منظوم 'خود نوشت سوانح حیات' کے سحر سے ابھی نکل بھی نہ پائے تھے کہ اردو کی پوری تاریخ ہم مظلوم پر "منظوم" بن کر اچانک نازل ہو گئی تھی۔ لیکن ہم نے اسے اپنے سر پر سوار ہونے نہیں دیا۔ موبائل بند کر کے لمبی تان کر سو گئے تھے۔ اگلے دن اس کی زیراکس کاپیاں بنوائیں۔ پورے چھ صفحات اور تین کم ایک سو پچاس اشعار مع مطلع و مقطع، میں پھیلی اردو کی پوری کہانی ہماری مٹھی میں بند تھی۔ سنتے آئے ہیں کہ ایک اچھا شاعر سمندر کو کوزہ میں بند کر دیتا ہے۔ سمندر کی لہروں کی طرح کہانی میں وسعت اور روانی ہے۔ حمایت علی شاعرؔ نے 'ثلاثی' اور 'منظوم خود نوشت' کا ایک اچھا اور کامیاب تجربہ کیا تھا۔ لگتا ہے تابشؔ نے بھی انہیں کی راہ پر چل کر ایک اچھی نئی جدّت پسندی کی اور پوری اردو کی تاریخ کو منظوم کر دیا ہے۔ کہا

خون بن کر رگ و پے میں بہتی ہوں میں
آجکل فکرِ تابش میں رہتی ہوں میں

یہ کہانی کا آخری شعر ہے۔ آجکل کیوں؟ ہماری دعا ہے کہ تابشؔ کی آخری سانسوں تک آپ انکی رگوں میں دوڑتی رہیں۔ راز کی بات ہے، پہلے ہم نے تابشؔ کی کاوش پر زیادہ دھیان نہیں تھا، مگر کہانی کا مقطع پڑھ کر ہمیں حیدرآبادی زبان میں 'چول' اٹھی یعنی، شوخی سوجھی کہ چلو کچھ لکھ لیتے ہیں، اردو پر نہ سہی، تابشؔ پر سہی؟ ایک بات اور محسوس ہوئی 'تشنگی کا احساس'۔ اگر یہ کہانی شائع شدہ ہوتی تو ہم جرأت نہ کرتے۔ ابھی موقع ہے کہ کسی طرح ہماری بات تابشؔ کے کانوں تک بھی پہنچ جائے۔ شرارت ہمیں کیوں سوجھی، اس کا ذکر بھی ہم آگے چل کر کرتے ہیں۔ پہلے تابشؔ ردولوی سے تعارف حاصل کر لیتے ہیں۔ "تابشؔ ردولوی"، اردو کے ایک ابھرتے ہوئے شاعر ہیں۔ جن کا پیدائشی نام محمد ہارون ہے، یوپی کے ضلع ایودھیا کے تاریخی قصبہ "ردولی" سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو قدیم اودھ کا ایک علمی و ادبی قصبہ ہے۔ یہ وہی زرخیز ادبی سرزمین ہے جہاں سے اردو ادب کے بڑے بڑے ناموں نے اپنا سر ابھارا تھا، اور آگے چل کر ادب کے تناور درخت بن گئے تھے۔ جیسے مجاز لکھنوی، باقر مہدی اور شارب ردولوی وغیرہ۔ لیکن اسرار الحق مجاز ادبی دنیا میں "مجاز لکھنوی" کے نام سے نامور ہوئے۔ اس سے زیادہ ان کا نام علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ترانہ، یہ میرا چمن، یہ میرا چمن، میں اپنے چمن کا بلبل ہوں... سے نامور ہے۔ باقر مہدی، ایک معروف ترقی پسند شاعر اور نقّاد کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ یہ بات بھی دلچسپ ہے کہ شارب ردولوی نے مجاز پر ایک کتاب "اسرار الحق مجاز، ہندوستانی ادب کے معمار" بھی لکھی تھی۔ شارب ردولوی کی پہچان ایک شاعر سے زیادہ استاد اور نقّاد کے طور پر ہے۔ ایک دلچسپ بات یہ بھی ہے کہ معروف شاعر و مکالمہ نگار جاوید اختر کی والدہ صاحبہ صفیہ اختر بھی ردولی میں پیدا ہوئی تھیں۔ اس کے بعد ہمارا یقین پکّا ہو گیا کہ واقعی میں، ردولی کی زمین میں کچھ تو بات ہے؟ ردولی نہ ہوئی، رسوئی گھر ہو گئی؟ جس کی آگ اور تپش سے تپ تپ کر ہر سال شاعروں کی کھیپ کی کھیپ تیار ہو رہی ہے؟

چلئے، ردولی کو جاننے کے بعد اب ہم محمد ہارون پر آتے ہیں، "تابشؔ"، تخلص اختیار کر کے وہ ادبی دنیا میں 'تابشؔ ردولوی' کے نام سے اپنی پہچان بنا رہے ہیں۔ رسالوں اور اخبارات میں ان کا ذکرِ خیر 'ایم ایچ تابشؔ ردولوی' کے نام سے بھی آتا ہے۔ ایم ایچ کا مطلب شاید، محمد ہارون ہی ہے۔ پیدائشی نام بھی، تخلص بھی اور اس کے سنگ سنگ ردولی بھی؟ تابش، دراصل فارسی لفظ ہے۔ جس کے معنی ہیں، روشنی، گرمی، اور درخشندگی وغیرہ۔ لیکن، مجازی معنوں میں "جذبے یا عشق کی تپش" کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ انکی منظوم کہانی "اردو کی کہانی، اردو کی زبانی"، میں آپ کو اردو سے عشق کی تپش پڑھنے کو ملے گی۔ سریلی دھنوں میں تابشؔ نے راوی بن کر اردو کی پوری تاریخ کو اردو ہی کی زبانی بیان کر دی ہے۔ ایسے ہی جیسے کوئی موسیقار پس پردہ موسیقی دیتا ہے۔ سمندر کی موجوں کی طرح کہانی میں روانی ہے۔ تابشؔ ردولوی کی پیدائش ۵ اگست، ۱۹۷۷ء کو ردولی کے محلہ پورہ بساون میں ہوئی۔ ان کے والد محترم الحاج عظیم اللہ مرحوم ہیں، جو ایک ایک صوفی منش انسان تھے۔ تابشؔ کی زندگی کی نصف سنچری ابھی مکمل نہیں ہوئی ہے، ایک رن کی طرح ایک سال جو باقی ہے؟ نروس بریک ڈاؤن کا شکار لگتے ہیں؟ ایسے ہی جیسے ہمارے کرکٹرز نصف سنچری یا سنچری سے پہلے نروس ہو جاتے ہیں۔ تابشؔ کو ہمارا ایک مشورہ ہے کہ آخری 'رن' پر نا، ایک زوردار چھکا "اردو کی کہانی، اردو کی زبانی' کو شائع کروا کر ادبی دنیا میں اپنی زوردار انٹری درج کروالیں۔ ایسے ہی جیسے اظہر الدین نے تین مسلسل سنچریاں ٹھونک کر کر کولکتہ کے ایڈن گارڈن میں انگریزوں کے چھکے چھڑا دئے تھے۔ نیا ورلڈ ریکارڈ قائم کر دیا تھا جو آج بھی برقرار ہے۔ اظہر الدین آج بھی کھیل رہے ہیں، مگر کرکٹ کی پچ پر نہیں، سیاست کی 'سلو' پچ پر۔ تلنگانہ سرکار میں آجکل وہ محکمات اقلیتی بہبود و سرکاری اداروں کے وزیر ہیں۔ منسٹر بن کر قریب ایک سال ہونے کو آرہا ہے، اور اقلیتیں ہنوز تہی دست و منتظر فردا ہیں۔ چھکا نہ سہی، کوئی اچھا سا چوا ہی سہی؟ مگر، انکا بلّا ہے کہ چل ہی نہیں رہا ہے کہ کوئی کیچ پکڑ سکے۔ روز روز صرف دو رن بناتے ہیں۔ گھر سے آفس، آفس سے گھر اور بس! حیدرآبادی انہیں پیار سے "اجّو بھائی" بھی کہتے ہیں۔ تابشؔ بھائی، آپ تو ایسے نہ کھیلیں گے نا، شاعری کی پچ پر؟

تابشؔ ردولوی کی ابتدائی تعلیم اپنے آبائی علاقہ ردولی ہی کی ہے۔ بعد میں انہوں نے لکھنؤ یونیورسٹی سے سنہ ۲۰۰۰ء اردو ادب میں ایم اے امتیازی نمبرات کے ساتھ پاس کیا تھا۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد وہ آج کل شعبہ درس و تدریس سے وابستہ ہیں۔ ادبی جریدے 'مژگاں' کے صفحہ "فکر و آہنگ" میں بھی وہ چھپتے رہتے ہیں۔ اسی طرح اگست، ۲۰۲۶ء میں ان کی نظم "عید میلادالنبیؐ" بھی شائع ہوئی تھی۔ اتفاق سے ہمیں سری نگر جنگ، مورخہ ۱۱ ستمبر ۲۰۲۶ء کے شمارے کے صفحہ ۶ پر تابشؔ کی ایک اور نعت پڑھنے کو ملی۔

تحیر بخش ہے میرے نبیؐ کا روضئہ انور
اُسے جو دیکھ لے محوِ در و دیوار ہو جائے

تابشؔ کا شعری سفر ۱۹۹۱ء میں شروع ہوا، جب وہ نویں جماعت کے طالب علم تھے۔ ایسے ہی جیسے احمد فراز نے نویں پاس کرتے ہی اپنے والد کو عین عید کے موقعہ پر جلی کٹی سنا کر اپنی شاعری کی شروعات

کی تھی س
ب کے واسطے لائے ہیں کپڑے سیل سے
لائے ہیں میرے لئے قیدی کا کمبل جیل سے

ہمیں یہ نہیں پتہ کہ تابشؔ ردولوی نے پہلا شعر کیا کہا تھا۔ وہ بنیادی طور پر غزل کے شاعر لگتے ہیں۔ اس منظوم کہانی کے علاوہ ان کے ۷ اور مجموعے ہنوز طباعت کے انتظار میں ہیں۔ کہکشاں سخن، اعتراف، امتزاج، شاعر، مولانا محمد علی جوہر وغیرہ۔ ان کے علاوہ سورہ یٰسین اور سورہ عنکبوت کے منظوم ترجمے بھی منتظر قرطاس ابیض ہیں۔ لگتا ہے ہمارے شاعروں نے 'منظومات' کا ایک نیا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ قرآن شریف کو بھی منظوم کرنے کی سعیٔ کرتے نظر آرہے ہیں۔ کیف بھوپالی نے بھی قریب آدھے قرآن شریف کو منظوم کیا تھا۔ اگر کوئی برا نہ مانے تو ہمیں قرآن کریم کے "منظوم" کرنے کی سعیٔ مناسب نہیں لگتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ نہ ہی نثر، نہ ہی منظوم۔ بس کلام ہے۔

اس پر طبع آزمائی سے باز رہیں تو ہی بہتر ہے۔ کیا خیال ہے آپ کا؟ جہاں تک تفسیر کا تعلق ہے، اسے بھی علماء کرام پر چھوڑ دیا جائے۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی قرآن شریف کی قریب آدھی تفسیر لکھی تھی اور اسے وہ مکمل کرنے سے قاصر رہے تھے۔ تابشؔ ردولوی کو مشہور پاکستانی شاعر جون ایلیا سے بھی ملاقات اور میزبانی کا شرف حاصل ہوا تھا، جب وہ ایک مشاعرہ کے سلسلہ میں لکھنو تشریف لائے تھے۔ جون ایلیا نے تابشؔ کے سر پر اپنے دونوں ہاتھ رکھ کر دعا دی تھی کہ "اس بچے کی شعری پرواز بہت بلند ہے، جو روز افزوں بڑھتے رہے گی"۔ جون جی، ساتھ میں یہ بھی کہہ دیتے تو کیا ہی اچھا ہوتا کہ جتنا بھی ابھی تک لکھ رکھا ہے، اسے شائع بھی کروالو، تاکہ اردو قارئین کا بھی کچھ فائدہ ہو اور وہ لطف اندوز ہو سکیں؟

تابشؔ ردولوی مشاعرے بھی پڑھتے ہیں۔ صف اول کے شاعروں کے ساتھ انہوں نے اسٹیج ساجھا بھی ہے۔ جن میں واصف فاروقی، ماجد دیوبندی، مخمور سعیدی، امیر قزلباش وغیرہ کے نام بہت نمایاں ہیں۔ "اردو کی کہانی، اردو کی زبانی"، دراصل اردو زبان و ادب کی مختصر تاریخ کو منظوم انداز میں پیش کرنے کی ایک طویل نظم اور اچھی سعیٔ و کاوش ہے۔ اس میں اردو کے ارتقاء اور اس کے ادبی سرمائے کو مختلف اہم شعراء اور ادباء کے حوالہ سے بیان کیا گیا ہے۔ یہ نظم دراصل اردو زبان و ادب کی ایک منظوم داستان ہے۔ علامہ اقبالؒ نے کہا تھا

گیسوئے اردو ابھی منّت پذیرِ شانہ ہے
شمع یہ سودائی دل سوزیِ پروانہ ہے

یہاں علّامہ نے اردو کو گیسو (زلف) سے تشبیہ دی ہے، جسے ابھی شانہ درکار ہے۔ اقبالؒ کے اس شعر میں "شانہ" سے مراد کندھا نہیں، بلکہ "کنگھی" ہے۔ علّامہ کے مذکورہ شعر کا پہلا مصرعہ بہت خوبصورت استعارہ ہے۔ انہوں نے اردو کی کیفیت کو ایسی زلفوں سے تشبیہ دی ہے جو ابھی شانہ (کنگھی) کی محتاج ہے۔ یعنی، اردو کو مزید سنورنے، سنوارنے، نکھارنے اور ترقی دینے کی ضرورت ہے۔ لگتا ہے اب گیسوئے اردو کو تابشؔ کا شانہ (کنگھی) مل گیا ہے۔ اردو کی کہانی میں خوب کنگھی کی ہے۔ سجایا سنوارا ہے۔ اسکے پیچ و خم کی کہانی بیان کی ہے۔ اردو شاعری میں محبوب کی زلف، گیسو، کاکل، طرہ، زلف پیچاں اور زلف پریشاں حسن اور محبوب کی نہایت اہم علامتیں ہیں۔ علّامہ نے اردو زبان کے ارتقائی عمل کو نہایت لطیف استعارے میں استعمال کیا تھا۔ 'شانہ' بھی مجازی معنوں میں صرف کنگھی نہیں رہتا، جب شاعر کہتا ہے کہ زلف ابھی شانہ کی محتاج ہے تو اس میں سجنے، سنورنے، سنوارنے، ترتیب دینے کا پورا عمل شامل ہو جاتا ہے۔ کچھ شاعروں کو محبوب کی زلفیں بڑی پیاری لگتی تھیں۔ وہ کمر ہی کیا، جسکی خبر، زلفیں نہ لیں؟ لمبی لمبی زلفیں۔ یہی محبوب کی اور اسکے شاعر کی پہچان ہوتی تھی۔ مگر زمانہ اب بدل گیا ہے۔ آج کے دور میں "باب کٹ" کٹنگ کا فیشن شروع ہو گیا ہے۔ پہلے کی دوشیزائیں گھر کی بڑی بوڑھیوں کے ہاتھوں سے سولہ سنگار اور بال سنوار کر نکلتی تھیں، مگر آج کل گلی گلی بیوٹی پارلر کھل گئے ہیں، جہاں سے وہ سج دھج کر نکلتی ہیں۔ بالوں کی تراش خراش کنگھی کے بجائے قینچی میں مقید ہو گئی ہے۔

اب آتے ہیں اس "تشنگی" پر جس کا ذکر ہم نے مضمون کے آغاز میں کیا تھا۔ جیسے آپ جانتے ہیں اردو شاید دنیا کی واحد زبان ہے، جس کی ابتداء نثر سے ہوئی ہے۔ لشکری زبان کہلائی۔ بول چال کی زبان کہلائی۔ توپوں کی گھن گرج میں پلی بڑھی، آگ کے دریا سے گزری۔ آپ کو، "اردو کی کہانی، اردو کی زبانی" میں "نا، ہر اس ادیب اور شاعر کا نام پڑھنے کو ملے گا جنہیں آپ جانتے اور پہچانتے ہیں اور انکا نام بھی ملے گا، جن کا نام شاید ہی کبھی آپ نے سنا ہو گا۔ کیا اردو کی کہانی اتنی ہی ہے؟ کہاں ہے جاسوسی ادب؟ ابن صفی کو بھول گئے تابشؔ جی؟ کہاں ہے تراجم کے نامور مصنف مظہر الحق علوی کا نام؟ جنہوں نے ایک سے بڑھ کر ایک شاہکار ناولوں کا اردو میں ترجمہ کیا تھا، جیسے رائیڈر ہیگرڈ وغیرہ؟ کہاں ہے ذکرِ خیر ممتاز طنز و مزاح نگار مشتاق احمد یوسفی اور مجتبیٰ حسین کا؟ اول الذکر، فصیح اردو میں تو آخر الذکر نے بالکل سادہ، سلیس اور عام فہم زبان میں طنز و مزاح کے تیر و نشتر چلا کر اردو ادب کو مالا مال کیا تھا۔ یاد ہے نا آپ کو یوسفی کی "آبِ گم"؟ جو نہ صرف اردو ادب، بلکہ دنیائے ادب میں ایک منفرد مقام رکھتی ہے۔ کہاں ہے سائنس فکشن؟ کہاں ہے ذکرِ خیر مولوی سید احمد دہلوی کی "فرہنگ آصفیہ" کا؟ یہ ایک بہت ہی مستند لغت ہے۔ اس کے علاوہ "فیروز اللغات وغیرہ بھی ہیں۔ ہاں، مولوی عبدالحق کو تو جیسے بھول ہی گئے ہیں ہم، جنہوں نے اردو۔ انگلش ڈکشنری بڑی جانفشانی سے ترتیب دی تھی۔ جب ہمارے خلاباز راکیش شرما پہلی مرتبہ خلا میں پہنچے تو انکا رابطہ فون پر وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی سے کروایا گیا تھا۔ مسز گاندھی نے پوچھا تھا، خلا سے ہندوستان کیسے نظر آرہا ہے؟ پتہ ہے آپ کو راکیش شرما نے کیا جواب دیا تھا؟ "سارے جہاں سے اچھا........"۔ تابشؔ جی، اردو کی کہانی میں آپ راکیش جی کو بھی یاد کر لیتے تو آپ کا کیا بگڑتا؟ اردو کے ڈائیلاگس اور نغموں کے بغیر "بالی ووڈ" کی فلمیں فلاپ ہوتی رہتی ہیں۔ بالی ووڈ تو بالی ووڈ، ہمارے سیاستدانوں کے بیانوں میں بھی زور نہیں پیدا ہوتا ہے، جب تک وہ اردو اشعار کا سہارا نہ لیں۔ آنجہانی وزیر خارجہ سشما سوراج نے پارلیمنٹ کے ایوان میں مظفر رزمی کا یہ تاریخی شعر گنگنایا تھا

یہ جبر بھی دیکھا ہے تاریخ کی نظروں نے
لمحوں نے خطا کی تھی صدیوں نے سزا پائی

پتہ ہے آپ کو اقوام متحدہ کے سکریٹری جنرل انتونیو گوتریش نے سال ۲۰۲۰ء اور ۲۰۲۶ء کے نئے سال کی مبارکبادی کے پیغامات اردو میں بھی جاری کئے تھے؟ چند دن پہلے ہی کی بات ہے نئی دہلی میں منعقدہ "برکس کانفرنس" ۲۰۲۶ء کے موقعہ پر ملیشیاء کے وزیراعظم انور ابراہیم گنگناتے نظر آئے، "خواب ہو تم یا کوئی حقیقت، کون ہو تم بتلاؤ..."۔ اردو کی عالمی مقبولیت کی یہ چند مثالیں ہیں۔ دنیا کے ۲۲ سے زیادہ ممالک میں اردو بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ اردو پاکستان کی سرکاری زبان ہے۔ بھارت کے کئی صوبوں کی دوسری سرکاری زبان ہے۔ ریاست جموں و کشمیر کی پہلی سرکاری زبان ہے۔ داغؔ دہلوی نے کیا کہا تھا

اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغ
سارے جہاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

ہم نے پہلے اپنی "شوخی" کا ذکر بھی کیا تھا کہ کیوں اس موضوع پر قلم اٹھانے مجبور ہوئے ہیں ہم؟ کیونکہ، تابشؔ کا مقطع ہماری نظر میں کھٹکنے لگا تھا۔

ناز فرمائے مجھ پر زمین و زماں
میں ہوں اردو زباں، میں ہوں اردو زباں

ردیف و قافیہ کی قید شاعر ہی بہتر جانے۔ ہم ادبی آدمی نہیں ہیں۔ لیکن، ہمارے خیال میں "زمیں و زماں" کے بجائے "زماں و مکاں" بہتر ترکیب ہوتی۔ سائنسی لحاظ سے بھی اور کائناتی تصور کے حساب سے بھی۔ آئینسٹائن کے آفاقی نظریہ اضافت "مکان (جگہ)۔ وقت" (space-time) اور علامہ اقبال کے کائناتی تصور میں مماثلت ہے۔

خِرد ہوئی ہے زماں و مکاں کی زنّاری
نہ زماں ہے نہ مکاں، لا الہ الا اللہ

"اردو کی کہانی، اردو کی زبانی" تابشؔ ردولوی کی ایک اچھی کاوش ہے، مگر اس کا کینویس اور وسیع ہونا چاہئے۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ، اور زیادہ۔ بقول شاعر

منزل سے آگے بڑھ کر منزل تلاش کر
مل جائے تجھ کو دریا تو سمندر تلاش کر

☆☆☆

بزمِ گلشنِ ادب، بھٹی جرولی، سلطانپور کی ماہانہ طرحی نشست کی مکمل روداد

پریس ریلیز
نیپال اردو ٹائمز
بتاریخ: ۱۳ ستمبر ۲۰۲۶ بروز ہفتہ

بزمِ گلشنِ ادب، بھٹی جرولی سلطانپور کی ماہانہ طرحی نشست آج شاکرؔ سلطانپوری کی سرپرستی میں منعقد ہوئی۔

نشست کی صدارت ضلع امیٹھی کے معروف شاعر جناب اجے انہدؔ امیٹھوی نے فرمائی، نظامت کے فرائض نوجوان شاعر دانشؔ سلطانپوری نے بحسن و خوبی انجام دیے۔ اس موقع پر رائے بریلی سے تشریف لائے ممتاز شاعر عاشقؔ رائے بریلوی مہمانِ خصوصی کے طور پر جلوہ افروز رہے۔

نظامت کا آغاز دانشؔ سلطانپوری نے کیا اور تمام شعراء کو دعوتِ کلام دی۔

باذوق قارئین کے لیے چنیدہ اشعار پیش ہیں۔

اجے انہدؔ امیٹھوی (صدرِ محفل)
> چیخ اٹھتا ہے مرا دل کسی گھایل کی طرح
> چھن سے بجتی ہے تری یاد جو پایل کی طرح

ابھمان سنگھ "خاکؔ" سلطانپوری
> آکے دیوانہ کوئی بیٹھا ہے پاگل کی طرح
> بسترِ خاک جسے لگتا ہے مخمل کی طرح

توحید ہنرؔ سلطانپوری

> ماں کے تقویٰ اور محنت سے چمکتے ہیں گھر
> شافعی نعمان و مالک اور حنبل کی طرح

اسرار احمد گہرؔ سلطانپوری

> جب بشر انسانیت سے دور ہوتا جائے گا
>بن ہی جائے گا جہاں اک روز مقتل کی طرح

عاشقؔ رائے بریلوی (مہمانِ خصوصی)

اے خدا بخش دے معیار یوں گویائی کو
نعت اجمل سی کہوں غزلیں ہوں بیکل کی طرح

گمنامؔ سلطانپوری

> میرے اجداد کے گمنام تھے وہ گھر پہلے
> تم جسے دیکھتے جاتے ہو اک محل کی طرح

ثمرؔ سلطانپوری

کون کب اپنوں میں بھی ہو جائے یارو بھیڑیا
گھر میں بھی محتاط رہیے اب تو جنگل کی طرح

دانشؔ سلطانپوری (ناظمِ مشاعرہ)

> پیار کے جال میں جو کوئی ہے پر زور پھنسا
وہ نکل پایا نہیں پیار ہے دلدل کی طرح

آفاقؔ سلطانپوری

سر پٹکتا ہوں تمہیں کھو کے میں پاگل کی طرح
> میں تمہیں پا نہیں سکتا ہوں کسی پل کی طرح

جگدیش جگنوؔ سلطانپوری

> پھر کسی لمس کی مجھ کو نہ ضرورت ہوگی
> کاش بندھ جاؤں ترے پاؤں میں پایل کی طرح

مومنؔ سلطانپوری

> ٹوٹنے پر بھلا آواز نہ ہوتی کیسے
> قلب توڑا ہے مرا کانچ کی بوتل کی طرح

وسیمؔ سلطانپوری

> مجرمِ عشق ہوں ساتھ دیجیے میرا
> راہِ الفت کا کچھ حق ادا کیجیے

نظامؔ سلطانپوری

میں نے دیکھے ہیں درختوں کے گھنے سائے بہت
> کوئی سایہ نہ ملا ماں ترے آنچل کی طرح

اسیرؔ سلطانپوری

>گھر میں جو تھا پاس آقا کے وہ لا کر رکھ دیے
> شوق سے پہنے لباسِ ٹاٹ مخمل کی طرح

یونسؔ سلطانپوری

> میں پیچھے پیچھے چلنا چاہتا ہوں
> میرے آگے مرا کردار کر دے

محسنؔ سلطانپوری

> بوجھ غربت کا رہا سر پہ مسلسل گرچہ
> دانا انساں بھی نظر آتا ہے پاگل کی طرح

عامر سکندر نصیر آبادی

> نام اللہ کا لے کر جو گھر سے نکلا ہے
> لوٹ کر وہ کبھی ناکام نہیں آئے گا

جمیل احمد شاکرؔ سلطانپوری سرپرستِ بزم

> پیرہن ایسا عطا کر دے مجھے بھی یا رب
> تن پہ ہے بیر بہوٹی کے جو مخمل کی طرح
> دن گزرتے ہیں مرے قیدِ مسلسل کی طرح
> اور ہے صحن کی مٹی کسی دلدل کی طرح
> خار ہی خار کے پودے ہیں اگے ہر جانب
> زندگی ہے مری شاکرؔ کسی جنگل کی طرح

تپشؔ سلطانپوری

> ہم تو مخمورِ عشق تھے کیا ہوش ہمیں
> لوگ ہنستے رہے ہم پہ کسی پاگل کی طرح

رونقؔ سلطانپوری

> جن کو آ جاتا ہے حالات پہ قابو پانا
وہ سنیچر کو بنا لیتے ہیں منگل کی طرح

صدرِ محفل اجے انہدؔ امیٹھوی نے اپنے صدارتی خطاب میں کہا کہ بزمِ گلشنِ ادب ایک خاموشی سے بڑا ادبی کام کر رہی ہے۔

آخر میں سرپرستِ بزم شاکرؔ سلطانپوری نے تمام شعرائے کرام، سامعین اور مہمانانِ خصوصی کا تہہِ دل سے شکریہ ادا کیا اور آئندہ ماہ کی نشست میں بروقت تشریف لانے کی درخواست کے ساتھ اختتامی اعلان کیا۔

پیشکش:
معظم ارزاں شاہی دوست پوری

نعت پاک

تابشؔ ردولوی

بشر کیا ہے، خدا مدحت سرا ہے
عجب ذاتِ محمد مصطفیٰ ہے

محمد نام ہے وہ نام نامی
خدا کی ذات سے جو آشنا ہے

بیاں ممکن نہیں اوصافِ احمد
سمندر سے ابھی قطرہ ملا ہے

فرشتے ہیں ترے در کے بھکاری
شہنشہ بھی ترے در کا گدا ہے

تری توصیف کیا لکھے مورخ
سیاہی میں سمندر گھولنا ہے

ثنا گوئے محمد اور تابش
وہ خود ہی نعت کا محور بنا ہے

تابش ردولوی

مفتی سید مسعود علی نوری ایک تعارف

مفتی غلام مصطفےٰ نعیمی ہاشمی قاضی شہر رام نگر نینی تال

تاریخ میں ایسے کتنے ہی علما و مبلغین گزرے ہیں جو خدمات کے اعتبار سے کسی سے کم نہیں تھے لیکن ان کی زندگیاں سادگی سے بھرپور اور شہرت و ناموری سے دور رہیں۔خود انہیں اس کا خیال تھا نہ حاجت، مقصد بس کام تھا، سو کام کرتے رہے اور ان کی خاموش تبلیغ سے دین و سنیت کا کام ہوتا رہا۔ایسے ہی ایک عالم دین حضرت مولانا مفتی سید مسعود علی نوری برکاتی بھی ہیں، جنھوں نے زندگی کا بیش تر حصہ تدریس اور تبلیغ دین میں گزارا۔جہاں رہے دین و سنیت کا کام کیا۔جہاں ٹھہرے تہذیب و تمدن کو سنوارا۔جہاں قیام کیا اس کا حق ادا کرنے کی بھرپور کوشش کی۔

تعارف

سید مسعود علی نوری برکاتی، صدر العلما، امام النحو علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ کے بڑے داماد تھے۔ان کی پیدائش اتر پردیش کے مردم خیز خطے ریاست رامپور کے ایک قصبے نرپت نگر میں ہوئی۔آپ کے والد مولانا سید سخاوت علی نعیمی ایک سنجیدہ اور مخلص عالم دین تھے۔جامعہ نعیمیہ مرادآباد کے فارغ التحصیل تھے۔باپ عالم دین تھے تو والدہ محترمہ سیدہ روشنی بیگم بھی نیک اور خدا ترس خاتون تھیں۔نیک ماں باپ کی صحبت میں پروان چڑھے تو بچپن ہی سے علم کی طرف جھکاؤ اور رغبت فطری تھی۔والد گرامی سے ناظرہ قرآن تا حفظ قرآن تعلیم حاصل کی۔ان دنوں آپ کے والد بغرض امامت نرپت نگر سے متصل ایک چھوٹے سے گاؤں پیپل سانہ میں مقیم ہوگیے تھے۔حفظ قرآن کے بعد آگے کی تعلیم کے لیے شہر رامپور میں واقع جامع العلوم فرقانیہ میں تشریف لے گیے جہاں آپ نے مروجہ درس نظامی کی تکمیل کی اور سند و دستار سے نوازے گیے۔ان کے ہم سبق ساتھیوں میں محدث رامپور مفتی سید شاہد علی میاں علیہ الرحمہ (سابق قاضی شرع رامپور) بھی تھے۔جن سے تا حین حیات بڑے اچھے مراسم و تعلقات رہے۔

فراغت اور تدریسی زندگی کا آغاز

سال ۱۹۷۵ میں بھارت ایک اتھل پتھل بھرے دور سے گزر رہا تھا۔سیاسی ناچاقیوں اور رنجشوں کی بدولت اس سال ایمر جنسی کا نفاذ عمل میں آیا تھا۔جو ۲۵ جون ۱۹۷۵ سے ۲۱ مارچ ۱۹۷۷ تک جاری رہا۔حکومتی سختی کا اثر ہر شعبہ زندگی پر تھا۔اسی ماحول میں سن ۱۹۷۶ میں آپ کی فراغت ہوئی۔فراغت کے بعد ہی کسی شناسا کے توسط سے صدرالعلما نے خط لکھ کر آپ کو میرٹھ بلایا۔اس طرح آپ کا پہلا تقرر اس وقت کے ایک معیاری ادارے جامعہ اسلامیہ عربیہ اندر کوٹ میرٹھ میں ہوا۔جہاں امام النحو علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی جیسے نابغہ روزگار عالم دین اپنی بساط علم سجائے بیٹھے تھے۔اولاً آپ کو شعبہ حفظ و قرأت تفویض کیا گیا۔آپ نے اس شعبے میں جی جان سے محنت کی۔تقرری کے دو سال بعد ہی امام النحو علیہ الرحمہ کا وصال ہوگیا۔بعد وصال بھی سید صاحب ادارے سے وابستہ رہے اور شغف و لگن کے ساتھ اپنے شعبے میں محنت کرتے رہے۔آہستہ آہستہ آپ کو درس نظامی کی کتابیں بھی پیش کی گئیں۔آپ کی تدریسی مہارت کھلتی گئی اور درس نظامی کی کتابیں بڑھتی گئیں، یہاں تک کہ آپ نے تفسیر بیضاوی تک کی منتہی کتابوں کا درس بھی دیا۔

ازدواجی زندگی

سید مسعود علی صاحب کا تقرر امام النحو کی زندگی ہی میں ہوا تھا۔حالانکہ امام النحو آپ کی تقرری کے دو سال بعد ہی واصل الی اللہ ہوگیے لیکن سید مسعود صاحب خلوص و محبت کے ساتھ تعلیم و تدریس میں منہمک رہے۔آپ کی عادات و اطوار سے متاثر ہوکر تقرری کے آٹھوے سال سن ۱۹۸۴ میں امام النحو علیہ الرحمہ کے شہزادگان نے صدر العلما کی بڑی شہزادی سیدہ انعام فاطمہ سے آپ کا عقد کر دیا۔اس طرح سید مسعود علی صاحب کی شخصیت کو ایک بزرگ عالم ربانی سے نسبت کا شرف بھی حاصل ہوا، جو بلاشبہ ایک بڑا اعزاز ہے۔اس نکاح میں اللہ تعالیٰ نے بڑی برکتیں رکھیں، چار بیٹے اور دو بیٹیاں عطا فرمائیں۔جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔فرزند اکبر، مولانا سید غلام محی الدین قادری
۲۔فرزند اوسط مولانا سید فخر الدین قادری
۳۔فرزند اوسط مولانا سید قطب الدین
۴۔فرزند اصغر سید محمود علی

اللہ تعالیٰ نے دو بیٹیاں بھی عطا فرمائیں۔

ترک وطن اور رام نگر میں سکونت

کہا جاتا ہے کہ علما کا رزق زمین کے مختلف حصوں میں بکھرا ہوا ہے۔بغرض تدریس و تبلیغ یہاں وہاں جاتے رہتے ہیں اور جائے سکونت بدلتی رہتی ہے۔سید صاحب کے والد نرپت نگر سے قریبی گاؤں پیپل سانہ منتقل ہوئے تھے اور سید مسعود صاحب ازدواجی زندگی کے دو سال بعد نینی تال کے سیاحتی شہر رامنگر وارد ہوئے۔یہاں آپ نے جامع مسجد کی امامت و خطابت اور درس گاہ سنبھالی۔بعد میں آپ نے اہل خانہ کو بھی یہیں بلا لیا اس طرح نرپت نگر کے بعد رامنگر آپ کا مسکن قرار پایا۔یہیں پر آپ کی ساری اولادیں پروان چڑھیں۔آپ کی دو بہنیں بھی اسی شہر میں بیاہی گئی تھیں، اس طرح رام نگر آپ کا وطن ثانی بن گیا۔

تدریسی و تبلیغی زندگی

سید صاحب قبلہ مزاجی اعتبار درس و تدریس ہی کے دلدادہ تھے۔اس لیے پوری زندگی تعلیم و تعلم ہی میں گزری۔مدرسہ اسلامیہ عربیہ میرٹھ کے علاوہ آپ

نے بریلی شریف کے معیاری ادارے دارالعلوم مظہر اسلام میں بھی کئی سال گزارے۔یہاں آپ نے مفتی محمد اعظم صاحب، مفتی دارالافتا مظہر اسلام بریلی شریف کے نائب اور ادارے کے نائب شیخ الحدیث کے طور پر خدمات انجام دیں۔کلیہ کنیزان فاطمہ ممبرا مہاراشٹر میں بطور شیخ الحدیث درس دیا۔ممبئ عظمی کے عظیم بزرگ فقیہ ماہم حضرت مخدوم علی ماہمی علیہ الرحمہ کے آستانہ پر واقع دارالعلوم مخدومیہ میں بھی ایک زمانے تک منتخب کتابوں کا درس دیا۔قرب وجوار کی مساجد میں امامت و خطابت کے ذریعے تبلیغ دین کا کام بھی انجام دیا۔جنت ارضی کشمیر کے مختلف خطوں میں حدیث و افتا کی خدمات سرانجام دیں۔اس کے علاوہ شہر رام نگر، ہلدوانی اور رانی کھیت میں بطور شہر قاضی بھی عوام اہل سنت کی بھرپور خدمت فرمائی۔

بیعت و خلافت اور سلسلہ ارادت

سید صاحب، نے شہزادہ اعلی حضرت، مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا نوری برکاتی قدس سرہ العزیز کے ہاتھ پر بیعت کا شرف حاصل کیا، اور مرشد گرامی کی نسبت کو اپنے نام کا جزو بنا کر سید مسعود علی نوری برکاتی کہلائے۔طبیعت میں شریعت کی پاس داری کا جذبہ پہلے ہی تھا۔پیر کامل کی صحبت نے اسے مزید تیز کیا اور زندگی اسی سانچے میں ڈھلتی گئی۔جانشین مفتی اعظم ہند، تاج الشریعہ حضرت مفتی اختر رضا ازہری قادری، شیخ الاسلام حضرت علامہ سید مدنی میاں کچھوچھوی اور شیخ ملت حضرت مولانا سید نعیم اشرف جائسی سے آپ کو شرف خلافت حاصل تھا۔آپ نے ملک کے مختلف خطوں میں بیعت و ارادت کا حلقہ بھی بنایا۔یوپی، کرناٹک اور دیگر علاقوں میں آپ کے مریدین ہیں۔بیرون ملک ماریشش میں آپ کے مریدین کا خاصا بڑا حلقہ پایا جاتا ہے۔

ملک وبیرون ملک کے اسفار

مفتی سید مسعود صاحب کی پوری زندگی درس و تدریس اور تبلیغ دین متین میں صرف ہوئی، اس حوالے سے ملک کے مختلف حصوں کے سفر ہوتے ہی رہے۔اتر پردیش سے کرناٹک، مہاراشٹر، اترا کھنڈ راجستھان اور ملک کے کئی صوبوں میں جانے کا اتفاق ہوتا رہا۔بیرون ممالک آپ نے عرب شریف، برطانیہ، ملیشیا اور ماریشش کے سفر کیے۔ماریشش میں آپ کا متعدد بار آنا جانا ہوا۔پہلی مرتبہ آپ کے فرزند اکبر مولانا سید غلام محی الدین کی دعوت پر وہاں پہنچے تھے۔بعدہ بیعت و ارادت کا سلسلہ جاری ہوا جس کے باعث متعدد مرتبہ یہاں آنا جانا ہوا۔

ذوق تلاوت

سید صاحب ایک بہترین حافظ اور خوب صورت لب و لہجے میں تلاوت کرنے والے قاری بھی تھے۔تلاوت قرآن کا نہایت عمدہ ذوق پایا تھا۔اکثر خالی اوقات میں قرآن کریم کی تلاوت فرماتے رہتے۔اہل خانہ کو بھی قرآن کی تلاوت کا شوق دلاتے اور مسلسل اس کی تاکید کرتے۔اہل خانہ کو قرآن کریم سے مربوط کرنے کے لیے آپ نے پارہ جاتی سیٹ خرید کر وقف علی الاولاد کیا تاکہ اہل خانہ کو رغبت ہو اور انہیں تلاوت قرآن کا ثواب بھی ملتا رہے۔

انتقال پر ملال

عرصہ دراز سے سید صاحب بیمار چلے آ رہے تھے۔بیماری کے باوجود بھی معمولات شب و روز میں کوئی خاص فرق نہیں تھا۔عمر کی ۷۳ ویں بہار تھی، کمزوری مسلسل بڑھ رہی تھی جس کی وجہ سے مسجد کی حاضری متاثر تھی۔کئی سال قبل اہلیہ داغ مفارقت دے چکی تھیں اس لیے یک گونہ اکیلے پن کا احساس بھی تھا۔انسانی زندگی میں یہی وہ مواقع ہوتے ہیں جب خوب چلنے والا مسافر بھی تھکن کا احساس کرنے لگتا ہے اور دل آرام کرنے کو چاہتا ہے۔سید صاحب نے ساری زندگی کام کیا، اب شاید آرام کا وقت آگیا تھا۔

نو ذوالقعدہ ۱۴۴۷ھ مطابق ستائیس اپریل ۲۰۲۶ بروز دوشنبہ صبح قریب نو بجے اللہ کے گھر سے بلاوا آیا اور اطاعت گزار بندے نے لبیک کہتے ہوئے رخت سفر باندھ لیا:

اَناللہ واناالیہ راجعون

بعد عصر فقیر ان کا آخری دیدار کرنے پہنچا۔سر پر عمامہ باندھے، چہرے پر پُرسکون مسکراہٹ لیے، اس طرح لیٹے ہوئے تھے مانو کتنی لذت و سکون کی نیند آرہی ہو۔چہرے پر حد درجہ نور اور طمانیت کا آثار صاف ظاہر تھے۔بے اختیار دل سے یہی آواز نکلی:

نشان مرد مومن باتو گویم
چو مرگ آید تبسم برلب اوست

"میں تجھے مرد مومن کی نشانی بتاتا ہوں۔
جب اسے موت آتی ہے تو اس کے لبوں پر مسکراہٹ ہوتی ہے"

انتقال کے وقت آپ کے فرزند اکبر مولانا سید غلام محی الدین بنگلور اور فرزند اوسط مولانا سید فخرالدین ماریشش میں تھے، اس لیے تدفین اگلے دن بعد نماز مغرب ہوئی۔نماز جنازہ فرزند اکبر سید غلام محی الدین قادری صاحب نے پڑھائی۔نماز جنازہ میں علمائے کرام کی کثیر تعداد شامل تھی۔اہم شرکا میں نبیرہ حضور سرکار کلاں حضرت سید حسین نجم الثاقب اجملی صاحب، سجادہ نشین دائرہ شاہ اجمل الہ آباد، مولانا مجتبیٰ حسن اشرفی صاحب سنبھلی،

شہزادہ حضرت سید یزدانی میاں صاحب سید محمد کلیم اشرف سنبھل، مولانا سید محمد رضوانی سنبھل، قاری رضاالحسن، حافظ نقش علی، مفتی محمد سلیم مصباحی، مفتی محمد اعظم اویسی، مفتی جنید القادری، مولانا امجد، قاری محمد فاروق، قاری محمد رئیس، قاری محمد فرقان، حافظ محمد عرفان، حافظ محمد امتیاز وغیرہ شامل ہیں۔قبر میں فرزند اوسط مولانا سید فخر الدین اور جناب محمد ریحان برکاتی نے اتارا۔بعد تدفین دعا کرانے کی سعادت راقم الحروف کو حاصل ہوئی۔اس طرح ایک عالم ربانی ایک قابل رشک زندگی گزار کر اپنے رب کے حضور حاضر ہوگیا۔

موت اس کی ہے، کرے جس کا زمانہ افسوس
یوں تو دنیا میں سبھی آئے ہیں مرنے کے لیے

مکانات: اختلاف کے شور میں مکالمے کی ایک نئی آواز

ٹی ایم ضیاء الحق

ڈاکٹر ذیشان احمد مصباحی صاحب سے میری شناسائی کو دو دہائیوں سے بھی زیادہ عرصہ گزر چکا ہے۔سنہ ۲۰۰۴ء میں جب میں نے دہلی کی سرزمین پر قدم رکھا تو ان دنوں وہ صحافت کے میدان میں اپنی ایک الگ شناخت قائم کر رہے تھے۔وقت گزرتا گیا، صحافت کے رنگ بدلے، رسائل و جرائد کے مزاج بدلے، قارئین کی ترجیحات بدلیں اور اب تو مطالعے کا بڑا حصہ کاغذ سے نکل کر موبائل کی اسکرین تک پہنچ گیا، مگر ڈاکٹر ذیشان احمد مصباحی کی علمی و صحافتی وابستگی میں تسلسل قائم رہا۔

ان دو دہائیوں میں انہیں مختلف رسائل و جرائد کی ادارت کرتے، لکھتے، پڑھتے اور علمی موضوعات پر گفتگو کرتے دیکھا ہے۔ان کے یہاں صحافت محض خبروں، بیانات اور وقتی موضوعات کا نام نہیں بلکہ فکر و تحقیق سے جڑا ہوا ایک مسلسل عمل ہے۔شاید اسی طویل تجربے کا تازہ اظہار سہ ماہی تحقیقی مجلہ "امکانات" کی صورت میں ہمارے سامنے آیا ہے۔

"امکانات" کا پہلا شمارہ جولائی تا ستمبر ۲۰۲۶ء منظر عام پر آچکا ہے۔اس کا رسم اجرا ۱۲ اگست ۲۰۲۶ کو جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی کے نہرو گیسٹ ہاؤس میں منعقد ہوا۔بظاہر یہ ایک نئے رسالے کا اجرا تھا، مگر اس کے پس منظر، مجلس مشاورت اور پہلے شمارے کے موضوعات کو دیکھیں تو محسوس ہوتا ہے کہ اس کے مدیران محض ایک اور رسالہ شائع کرنے نہیں نکلے، بلکہ ایک ایسا دریچہ کھولنا چاہتے ہیں جہاں سے مختلف سمتوں میں دیکھنے والے لوگ ایک دوسرے کو دیکھ بھی سکیں اور سن بھی سکیں۔

برصغیر کے مسلمانوں کی گزشتہ دو صدیوں کی تاریخ میں فکری، مسلکی اور جماعتی اختلافات ایک تلخ حقیقت رہے ہیں۔اختلاف اپنی جگہ کوئی غیر فطری چیز نہیں۔علمی روایتیں اختلاف ہی سے آگے بڑھتی ہیں۔مسئلہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب اختلاف مکالمے کی حدود سے نکل کر گروہی عصبیت میں تبدیل ہو جائے اور ہر حلقہ صرف اپنی آواز سننے کا عادی ہو جائے۔ہمارے مذہبی اور فکری لٹریچر میں بھی اس کیفیت کی جھلک دیکھی جاسکتی ہے۔"ملت" کی بات سب کرتے ہیں مگر اکثر اس ملت کو اپنے اپنے فکری دائرے میں دیکھتے ہیں۔

اس صورت حال کا سب سے بڑا چیلنج شاید نئی نسل ہے۔بالخصوص زین جی ایک ایسی دنیا میں آنکھ کھول

رہی ہے جہاں معلومات کی کوئی کمی نہیں۔ایک سوال کے ہزار جواب چند لمحوں میں اس کے موبائل پر موجود ہوتے ہیں۔ایسے نوجوان کو صرف یہ کہہ دینا کافی نہیں کہ سوال نہ کرو۔وہ سوال بھی کرے گا، دلیل بھی چاہے گا اور مختلف آرا کا تقابل بھی کرے گا۔اگر ہمارا علمی و دینی لٹریچر اس کے سوالات کے لیے کشادہ جگہ فراہم نہیں کرے گا تو وہ اپنے جوابات کہیں اور تلاش کرے گا۔

یہیں سے "امکانات" کی ضرورت اور معنویت سمجھ میں آتی ہے۔

اس مجلے کی سب سے اہم خوبی میرے نزدیک اس کا مکالماتی مزاج ہے۔یہاں اختلاف کو مٹانے کا دعویٰ نہیں بلکہ اختلاف رکھنے والوں کو گفتگو کی میز تک لانے کی خواہش دکھائی دیتی ہے۔مجلس مشاورت میں بھی مختلف علمی و فکری پس منظر رکھنے والے اہل قلم شامل ہیں۔ڈاکٹر نوشاد عالم چشتی اور احمد جاوید جیسے تجربہ کار اہل قلم کے ساتھ ناصر رامپوری مصباحی جیسے نئی نسل کے لکھنے والوں کی موجودگی تجربے اور نئی فکر کے امتزاج کی علامت ہے۔مفتی اجمل فاروق ندوی اور آفتاب رشک مصباحی کی ادارت بھی اس علمی سفر کو وسعت دیتی ہے۔

پہلا شمارہ ۱۹۷ صفحات پر مشتمل ہے۔اس میں اداریے سمیت آٹھ مضامین، ایک انٹرویو، اہل علم کی آرا پر مشتمل مکالمہ اور آخر میں "امکانات پروجیکٹ" کا تعارف شامل ہے۔

"منظومات" میں ڈاکٹر نور محمد لکھنوی کا کلام آزادانہ فکر و تحقیق پر عائد کی جانے والی قدغنوں کے خلاف احتجاج کی آواز بنتا ہے۔چیف ایڈیٹر ڈاکٹر ذیشان احمد مصباحی اپنے "شذرات" میں مجلہ نکالنے کے اسباب اور موجودہ مسلم معاشرے کی فکری صورت حال پر گفتگو کرتے ہیں۔ایک اہم سوال یہ سامنے آتا ہے کہ کیا ہم کسی شخص کی بات کو اس کے استدلال کی بنیاد پر سننے کے لیے تیار ہیں یا سب سے پہلے یہ جاننا چاہتے ہیں کہ بولنے والا کس مسلک اور کس گروہ سے تعلق رکھتا ہے؟

یہ سوال معمولی نہیں۔"فکری یاسیت سے تعمیر امت تک: ایک بین المسالک آن لائن مجلے کے امکانات" کے مرکزی عنوان کے تحت مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے اہل علم کی گفتگو اسی سوال کو آگے بڑھاتی ہے۔بنیادی خیال یہ ہے کہ قرآن و سنت کی اساس اور دین کے جامع تصور کے ساتھ ان مشترکات کو تلاش کیا جائے جن پر مختلف حلقے مل بیٹھ سکتے ہیں۔اختلاف اپنی جگہ باقی رہے لیکن اختلاف، تعلق اور تعاون کے تمام دروازے بند نہ کر دے۔

خانقاہ منعمیہ پٹنہ کے سجادہ نشیں اور معروف اسکالر پروفیسر سید شمیم الدین احمد منعمی صاحب کا انٹرویو شمارے کا ایک اہم حصہ ہے۔وہ موجودہ ملی بکھراؤ، تنگ نظری اور مسلکی شدت کو ملٹی ڈسپلنری نظام تعلیم سے دوری کے تناظر میں دیکھتے ہیں۔یہ زاویہ اس لیے اہم ہے کہ مذہبی اختلاف کو صرف مذہبی دلائل کے اندر دیکھنے کے بجائے تعلیمی اور سماجی ساخت کے حوالے سے بھی سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

"اخلاقیات" میں مولانا منصور عالم برکاتی کی تحریر انسان کو دوسروں کے احتساب سے پہلے اپنے محاسبے کی دعوت دیتی ہے۔ڈاکٹر محمد علی دہلوی "روشن خیالی کی روایت" کا تاریخی جائزہ لیتے ہیں، جبکہ ڈاکٹر جلیس اختر نصیری رفض و نصب کے مباحث کے تناظر میں فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان کی آرا کو موضوع گفتگو بناتے ہیں۔

ڈاکٹر وارث مظہری کا مضمون خواتین سے متعلق بعض فقہی تصورات پر از سر نو غور کی دعوت دیتا ہے۔عورت کی گواہی، دین و عقل میں نقص اور صنفی عدم مساوات جیسے حساس موضوعات پر سوال اٹھانا ظاہر کرتا ہے کہ "امکانات" مشکل موضوعات سے صرف اس لیے گریز نہیں کرنا چاہتا کہ ان پر اختلاف پیدا ہو سکتا ہے۔

معروف صحافی احمد جاوید کا دلت اقوام کی شناخت، تاریخ اور ان کے ساتھ روا رکھے گئے سماجی رویوں پر مضمون بھی قابل توجہ ہے۔یہ ایسا موضوع ہے جسے مسلم علمی حلقوں میں مزید جگہ ملنی چاہیے، کیونکہ ہندوستان جیسے کثیر مذہبی اور کثیر تہذیبی معاشرے کو سمجھنے کے لیے ذات پات، سماجی محرومی اور انسانی مساوات کے سوالات سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔

ڈاکٹر ذیشان احمد مصباحی کا تفصیلی مقالہ "فیصلہ ہفت مسئلہ— مسلکی مفاہمت کا عارفانہ منشور" دیوبندی بریلوی اختلافات کے پس منظر میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے پیش کردہ اصولوں کی طرف توجہ دلاتا ہے۔اسی طرح مولانا ناظم اشرف مصباحی مسلکی اختلافات کے نفسیاتی اور شرعی محرکات پر گفتگو کرتے ہیں۔دونوں تحریریں ایک ایسے مسئلے کو مختلف زاویوں سے دیکھتی ہیں جس نے برصغیر کے مسلم معاشرے کو طویل عرصے سے متاثر کیا ہے۔

ڈاکٹر جہانگیر حسن مصباحی کا "ہندوستانی مدارس میں دینی و عصری تعلیم کا امتزاج" کے مجموعۂ مقالات پر تجزیاتی تبصرہ بھی قابل مطالعہ ہے۔وہ محض کتاب کا تعارف نہیں کراتے بلکہ مختلف مباحث پر اپنی تنقیدی رائے بھی پیش کرتے ہیں۔

"امکانات" کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس نے خود کو صرف مطبوعہ صفحات تک محدود نہیں رکھا۔اسے imkanat.in پر آن لائن بھی پڑھا جا سکتا ہے۔آج کے عہد میں، بالخصوص نوجوان قارئین تک رسائی کے لیے، یہ قدم نہایت اہم ہے۔مجلے کی قیمت ۳۰۰ روپے رکھی گئی ہے۔

پہلا شمارہ کسی بھی مجلے کا تعارف بھی ہوتا ہے اور امتحان بھی۔اصل امتحان آنے والے شماروں میں ہوگا کہ "امکانات" اپنے اعلان کردہ مکالماتی اور بین المسالک مزاج کو کس حد تک برقرار رکھ پاتا ہے، اختلافی آوازوں کو کتنی کشادگی سے جگہ دیتا ہے اور نئی نسل کے زندہ سوالات کو کس جرأت اور علمی دیانت کے ساتھ موضوع بناتا ہے۔

تاہم آغاز معنی خیز ہے۔

ڈاکٹر ذیشان احمد مصباحی کو دو دہائیوں سے زیادہ عرصے سے علمی و صحافتی میدان میں سرگرم دیکھنے کے بعد "امکانات" کو دیکھتا ہوں تو یہ ان کے صحافتی سفر کا محض ایک نیا رسالہ نہیں لگتا بلکہ اس تجربے کا ایک نیا مرحلہ محسوس ہوتا ہے۔

ایسے وقت میں جب بولنے والے بہت ہیں اور سننے والے کم، اپنے اپنے حلقوں کی صدائے بازگشت بہت ہے اور باہمی گفتگو کم، "امکانات" اگر مختلف آوازوں کو ایک دوسرے کے سامنے بیٹھنے، سننے اور دلیل کے ساتھ اختلاف کرنے کی جگہ فراہم کر سکے تو شاید اس کے نام میں پوشیدہ معنی حقیقت کا روپ دھار سکیں۔

کیونکہ قوموں کے فکری سفر میں نئے راستے ہمیشہ تیار شدہ نہیں ملتے۔

کچھ راستے تلاش کیے جاتے ہیں، کچھ بنائے جاتے ہیں اور کچھ محض ایک "امکان" سے شروع ہوتے ہیں۔

T M Zeyaul Haque
+۹۱-۹۷۱۸۰۴۳۱۷۴ / ۹۹۷۱۱۴۳۱۷۴

منقبت غوث پاک

نسبت پہ ناز کر لو اے قادری فقیرو
شکرانہ پیش کر لو تم دل سے خوش نصیبو

اپنی فلاح کا جو جذبہ ہے دل میں سچا
داماں غوث اعظم تھامے رہو عزیزو

میرا سلام کہہ کر دربار غوثیت میں
کرنا دعائیں دل سے بغداد کے سفیرو

ہر اک مرض کا نسخہ بغداد میں ہے ملتا
ہے بات میری سچی اے وقت کے طبیبو

کرنا نہیں تکبر اپنی کسی بھی شئ پر
تعلیم غوث کی ہے واللہ یہ حبیبو

ساماں نہیں ہے کوئی بغداد کی طلب ہے
سرکار التجا ہے دل کی مراد دیجو

ملت کو ٹھگ رہے ہو قدرت کا نام لے کر
اس کی سزا ملے گی عقبی میں اے شریرو

فرمان غوث اعظم کیا خوب ہے معظّم
ہونا نہیں ہے خائف اے غوث کے مریدو

ادنی گدا معظّم یہ کہہ رہا ہے پیہم
چشم کرم ادھر بھی سرکار اب تو کیجو

معظّم ارزاں شاہی
دوست پوری
قصبہ دوست پور ضلع سلطان پور (یوپی)

* لفظ "نبی" کی نفیس و دلنشیں توضیح و تشریح *

شہاب الدین حنفی سمرد ہی
نائب مہتمم: جامعہ سیدہ فاطمہ للبنات
جلیشور، ضلع مہوتری، نیپال

جب ہم قرآنِ مجید، برہانِ رشید کی تلاوت کرتے ہیں تو مختلف سورتوں میں مختلف انبیائے کرام کے اسمائے مبارکہ نظر آتے ہیں۔ متعدد مقامات پر متعدد انبیائے علیہم السلام کے اسمِ مبارک سے خطاب ہوا ہے، جیسے: "اے موسیٰ!"، "اے عیسیٰ!"، "اے آدم!"، "اے نوح!"، "اے ابراہیم!" وغیرہم۔ مگر قربان جائیے محبوبِ کبریا پر! جب بھی آپ کو پکارا گیا تو کہیں "یٰاَیُّہَا النَّبِیُّ"، کہیں "المدثر"، کہیں "المزمل"، کہیں "طٰہٰ"، کہیں "یٰسین"۔ اس طرح حضور جانِ عالم کی مدح سرائی کی گئی ہے۔

آیئے آج جانتے ہیں کہ لفظ "نبی" کے معنی و مفاہیم کیا ہیں۔ یوں تو مشہور یہی ہے کہ نبی کے معنی غیب کی خبریں دینے والا ہے، تاہم اس لفظ کے اور بھی کئی معنی ہیں۔ مفسرین نے مختلف معنی اور مفہوم بیان کیے ہیں۔

چنانچہ لغت کی مشہور و معروف کتاب، جس کو ماخذ کی حیثیت حاصل ہے، "لسان العرب"، صاحبِ لسان العرب اپنی کتاب میں کچھ یوں رقم طراز ہیں:

لفظِ نبی کی تحقیق یہ ہے کہ اس کے ماخذ و اشتقاق کے متعلق اہلِ لغت کے تین اقوال ہیں۔ اول: یہ "نبأ" سے مشتق ہے۔ دوم: یا یہ "نبوۃ" سے مشتق ہے۔ سوم: یا یہ "نباوۃ" سے مشتق ہے۔ پہلے قول کے مطابق نبی، بروزن فعیل بمعنیٰ مفعل، مخبر ہو گا، یعنی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دینے والا ہو۔ علامہ جوہری اور فرّاء دونوں کی رائے یہی ہے کہ "نبأ" سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دینے والا۔

اور اگر اس کا ماخذ و اشتقاق "النبوۃ" یا "النباوۃ" ہو تو اس کا معنی ہے: بلند اور اونچی چیز؛ کیونکہ نبی دوسروں سے ہر جہت سے ارفع و اعلیٰ ہوتے ہیں۔ عقل و خرد، قوتِ اجسام، فکر و تدبر، صبر و تحمل، تقویٰ و طہارت، قناعت، صبر، رضا، صابر و شاکر، ہر اعتبار سے انبیائے کرام دیگر مردوں سے مقامِ رفیع پر فائز ہوتے ہیں۔ اسی لیے اسے نبی کہتے ہیں۔

علامہ اصفہانی کی تحقیقِ انیق کی روشنی میں ایک اور دلکشی نظر آتی ہے۔ چنانچہ آپ رقم طراز ہیں: "نبأ ہر خبر کو نہیں کہتے ہیں، بلکہ صرف اس خبر کو نبا کہتے ہیں جس میں یہ تین اوصاف پائے جاتے ہوں: اول: فائدہ مند ہو۔ دوم: اہم اور عظیم ہو۔ سوم: ایسی ہو کہ اس کے سننے سے علم یا کم از کم غلبۂ ظن حاصل ہو۔" اس لفظ پر مزید تفصیلی بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: "النبوة سفارة بين الله وبين ذوي العقول من عباده لإزاحة علتهم في أمر معادهم ومعاشهم. والنبي لكونه من باب ما تسكن إليه العقول الذكية، وهو يصح أن يكون فعيلاً بمعنى فاعل، وأن يكون بمعنى المفعول۔" المفردات۔ ترجمہ: یعنی نبوت اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے مابین پیغام رسانی کو کہتے ہیں، جس سے ان کی دنیا اور آخرت کی بیماریاں ختم ہوتی ہیں، اور نبی کیونکہ ایسی باتوں سے باخبر کرتے ہیں جس سے عقلِ سلیم کو تسکین ہوتی ہے، اس لیے یہ فاعل اور مفعول دونوں معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔

اہلِ لغت اور مفسرین کے ان تمام اقوال کی روشنی میں امامِ عشق و محبت، کنز الکرامت، جبلِ استقامت، مجددِ ماۃِ حاضرہ، حجۃِ قاہرہ، شیخ الاسلام والمسلمین، حامیِ سنت، ماحیِ بدعت و کفر و ضلالت، فنا فی اللہ و فنا فی حبِ رسول اللہ، الشاہ امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان اپنی شہرۂ آفاق ترجمۂ قرآن "کنز الایمان" میں "النبی" کا ترجمہ "غیب کی خبریں دینے والا" فرمایا ہے۔

ربِ لم یزل ان تمام مفسرین، محدثین، شارحین کی تربتِ انور پر رحمت و نور کی برسات فرمائے، جنھوں نے قرآنِ کریم، فرقانِ حمید کی باریک گتھیوں کو سلجھا کر امت کو سمجھنے کے لیے عظیم تحفہ دیا۔

ربِ قدیر ہم سب کو تلاوتِ قرآن مع ترجمہ و تفسیرِ قرآن کو سمجھنے کی توفیق و رفیق عطا فرمائے۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ

طالبِ دعا خاکِ راہِ حجاز *شہاب الدین حنفی سمرد ہی*
نائب مہتمم: جامعہ سیدہ فاطمہ للبنات جلیشور، ضلع مہوتری، نیپال

خصوصی تعاون
اظہارِ تشکر و دعا

نیپال اردو ٹائمز کی اس اشاعت میں قاضی نیپال فاؤنڈیشن کا خصوصی تعاون شامل ہے۔ ہم فاؤنڈیشن کے جملہ اراکین، معزز سرپرست، صدر، نائب صدر اور تمام ممبران کے تہہ دل سے شکر گزار ہیں۔ اللہ کریم قاضی نیپال فاؤنڈیشن کے تمام ذمہ داران و اراکین کو اپنی حفظ و امان میں رکھے، ان کی خدمات کو شرفِ قبول بخشے، ان کے علم، عمل، اخلاص اور اتحاد میں برکت عطا فرمائے، اور انہیں دین و ملت اور معاشرے کی مزید خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین

This publication of Nepal Urdu Times has received the special support and cooperation of Qazi Nepal Foundation.

علماء کی عظمت اور دینی خدمات کا صحیح توازن

محمد عادل ارریاوی

قرآن و حدیث میں علماء کرام کی بڑی فضیلت و اہمیت بیان فرمائی گئی ہے۔

علمائے حق حضرات انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے وارث و جانشین ہیں اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَۃُ الانبیاء۔ ان کی وراثت اور نیابت اسی وقت صحیح اور مکمل ہو گی جب ان کی زندگی کا مقصد اور ان کی کوششوں کا مرکز وہی ہو گا جو انبیائے کرام کا تھا وہ مقصد زندگی اور وہ مرکز سعی و عمل کیا ہے؟ دو لفظوں میں دین خالص یا ایک لفظ میں توحید یعنی اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت اور کامل اطاعت جو تنہا اسی کا حق ہے اس کو اپنی ذات سے عمل میں لانا اور دوسروں میں اس کے لیے جدوجہد کرنا۔

لیکن بعض اوقات غیر عالم لوگ حدود شریعت سے واقف نہ ہونے کے سبب عوام میں تبلیغ دین کی فضیلت پر اس طرح تقریر کرتے ہیں کہ مثلاً کچھ ساتھی تبلیغ کے لیے یورپ گئے اور وہاں جا کر انہوں نے اذان دی نماز پڑھی اور چٹنی روٹی وغیرہ کھا کر سو گئے تو وہاں کے کافر کہنے لگے کہ ارے ان کو تو بلا نشہ ہی نیند آ گئی جبکہ ہم ہیروئن کھا رہے ہیں۔

نشہ کی گولیاں کھا رہے ہیں اور پھر بھی نیند نہیں آتی اور یہ مسلمان جو اللہ کے راستہ میں نکلے ہیں ان کا مذہب تو بڑا اچھا ہے اور آٹھ دس آدمی ان کو دیکھ کر مسلمان ہو گئے۔ پھر یہ نادان مبلغ علماء پر تنقید کرنے لگتے ہیں کہ جو کام تبلیغ والے عوام کر رہے ہیں وہ علماء بھی نہیں کر رہے۔ یہ بڑی سخت نادانی و بد نہی ہے۔ بات یہ ہے کہ اہلِ کفر تو اپنے کفر اور خدا سے دوری کی لعنت کے باعث پریشان ہیں بے چین ہیں وہ جب دیکھتے ہیں کہ اللہ کی عبادت کر کے یہ لوگ چٹنی روٹی کھا کر سو گئے تو وہ اسی سے اسلام لے آتے ہیں۔

لہٰذا ان لوگوں کی تعریف اس حیثیت سے تو کرو کہ انہوں نے ایک مستحب عمل کیا لیکن ان کو علماء پر فضیلت مت دو کیونکہ علماء بخاری شریف پڑھا رہے ہیں علوم نبوت کی حفاظت اور نشر و اشاعت کر رہے ہیں جو فرض ہے اور اب تبلیغ میں جانا فرض نہیں ہے البتہ ایک مستحب اور پیارا عمل ہے۔ پس جو لوگ علماء کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ کل کافر قیامت کے دن علماء کے گریبان پکڑیں گے کہ تم لوگ اپنے مدرسوں میں پڑے رہے ہمیں کفر کی تاریکی سے نہیں نکالا تم نے ہمیں دوزخ میں کیوں جانے دیا تو ایسے لوگ سخت نادان اور بے عقل ہیں۔ اس طرح کی باتوں کا یہ اثر ہوتا ہے کہ عوام الناس کے دماغ میں علماء کی بے وقعتی آ جاتی ہے۔

اللہ ربّ العزت نے علماء کو بڑا درجہ دیا ہے۔ اس لیے کہتا ہوں کہ ان کی قدر کرو۔ لیکن جس کے قلب میں علماء کی عظمت نہ ہو تو بڑے صدمہ کی بات ہے پس عوام جب بستر لے کر دین کے لیے جاتے ہیں تو بڑی خوشی ہوتی ہے علماء خود ترغیب دیتے ہیں اور علماء اجتماعات میں بھی بلائے جاتے ہیں علماء کی تقریر بھی ہوتی ہیں لیکن جب کہیں ایسی بات سنتا ہوں جس میں علماء مشائخ اور بزرگانِ دین کی بے وقعتی ہو تو ہمیں یہ بات برداشت نہیں ہوتی کیونکہ مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی مولانا رشید احمد گنگوہی مولانا قاسم نانوتوی عبد اللہ بن مبارک امام ابو حنیفہ امام احمد ابن حنبل امام شافعی خواجہ حسن بصری رحمہم اللہ وغیرہ یہ سب حضرات تو بستر لے کر نہیں نکلے پھر اس قسم کی بات کرنا کہ جو چلہ نہیں لگاتا اس کے جنت میں جانے کی گویا کوئی ضمانت نہیں یا ایسی تقریر کرنا جس سے علماء کرام کی عوام کے دل میں وقعت کم ہو جائے حرام ہے۔ تو ایک بات دھیان میں رکھو کہ ایسا عنوان اختیار کرنا اور کسی عمل یا کسی نوع کی خدمت کی فضیلت اس طرح بیان کرنا جس سے علماء و مشائخ اور اہل اللہ کی عظمتوں میں کمی آ جائے اور لوگ کہنے لگیں کہ ہمارے علماء و مشائخ تو کچھ نہیں کرتے حجروں میں پڑے ہیں مدرسوں میں پنکھوں کے نیچے بیٹھے ہیں اس قسم کے بیانوں کے بارے میں حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ (صحیح البخاری ج ۲ ص ۹۶۳ باب التواضع) جو میرے اولیاء کی حقارت اور ان کے ساتھ دشمنی کرے تو میرا اس سے اعلان جنگ ہے۔ کیا یہ معمولی دشمنی ہے کہ امت کو اہل اللہ سے علماء سے بدظن کر دیا جائے اور صرف چند چلے لگانے سے غیر علماء کو علماء کے برابر کر دیا جائے؟ یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے دل کے مریضوں کو ہارٹ اسپیشلسٹوں کی بے وقعتی کر کے مرہم پٹی کرنے والوں کا معتقد بنایا جائے کہ جاؤ ٹانگ پر پٹی چڑھا لو وہ بیچارہ آیا تھا دل کا آپریشن کروانے کے لیے معلوم ہوا کہ ہارٹ فیل ہو گیا اور پٹی بندھی کی بندھی رہ گئی۔

اسی کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ دعوت و تبلیغ نیکی کی ترغیب اور لوگوں تک اسلام کا پیغام پہنچانا بھی ایک مبارک عمل ہے۔ جو لوگ اخلاص کے ساتھ اللہ کے دین کی دعوت دیتے ہیں وہ یقیناً اجر کے مستحق ہیں۔ لیکن کسی ایک نیک خدمت کی فضیلت بیان کرتے ہوئے دوسری دینی خدمت خصوصاً علماء و مشائخ کی قدر و منزلت کو گھٹانا درست نہیں۔

اعتدال یہی ہے کہ مدارس میں علومِ نبوت کی حفاظت کرنے والے علماء کا بھی احترام کیا جائے اور میدانِ دعوت میں محنت کرنے والوں کی بھی حوصلہ افزائی کی جائے۔ دین کا قافلہ انہی مختلف خدمات کے باہمی تعاون سے آگے بڑھتا ہے نہ کہ ایک دوسرے کی تحقیر سے۔

اللہ ربّ العزت ہمیں علماء کرام کی صحیح قدر کرنے اور ہر دینی خدمت کو اخلاص کے ساتھ انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

قاضی نیپال فاؤنڈیشن کی عظیم پیشکش

نہایت مسرت و شادمانی کے ساتھ معزز قارئینِ کرام کی خدمت میں یہ خوش خبری پیش کی جا رہی ہے کہ "قاضی نیپال فاؤنڈیشن" کی جانب سے "قاضیِ نیپال، مفتیِ اعظمِ نیپال، مناظرِ اسلام حضرت علامہ مولانا مفتی الشاہ محمد عثمان برکاتی مصباحی دامت برکاتہم العالیہ" کی حیات و خدمات پر مشتمل ایک وقیع رسالہ، بنام: "نقشِ حیاتِ قاضی نیپال" عنقریب زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر منظرِ عام پر آنے والا ہے۔ اس رسالے میں حضرت قاضی نیپال دامت برکاتہم

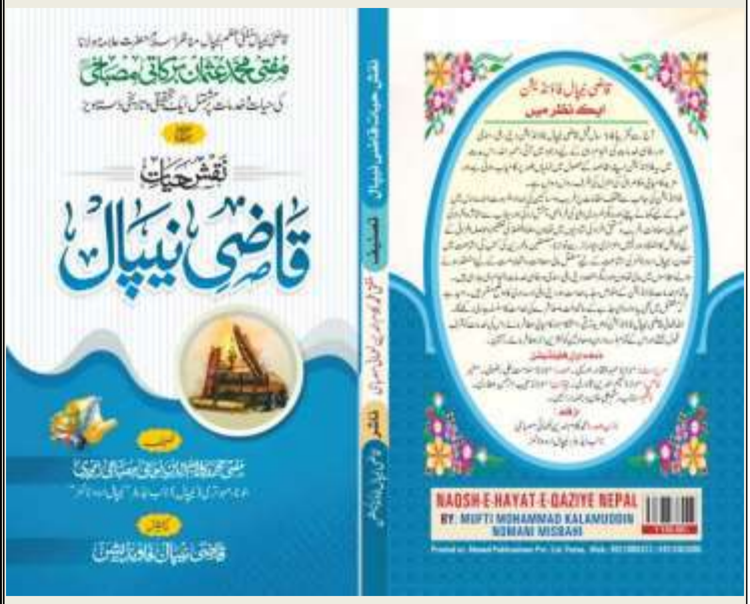

العالیہ کی حیاتِ مبارکہ کے نمایاں پہلوؤں، مشقت بھرے اسفار اور مختلف میدانوں میں انجام دی جانے والی دینی، ملی، مذہبی، سماجی، رفاہی، تعمیری، تحریکی، تنظیمی، تدریسی، تصنیفی، تحریری، تقریری اور تبلیغی خدماتِ جلیلہ کا مختصر مگر جامع تعارف ضبط تحریر میں کیا گیا۔

یقیناً یہ ان تمام علما و فضلا، متعلمین، محبین، مخلصین اور معتقدین کے لیے ایک مسرت آمیز خبر ہے جو حضرت قاضی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی حیات، جدوجہد اور علمی و دینی کارناموں کی تفصیلات جاننے کے مشتاق تھے۔ یہ رسالہ ان کی زندگی اور خدمات کو سمجھنے میں ایک مفید اور قیمتی ذریعہ ثابت ہو گا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس رسالہ کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے، اسے حضرت قاضی نیپال دامت برکاتہم العالیہ کی خدمات کے تعارف اور اشاعت کا مؤثر ذریعہ بنائے۔

"قاضی نیپال فاؤنڈیشن" کو دن دگنی اور رات چوگنی ترقی عطا فرمائے، اور اس کے تمام اراکین، معاونین اور متعلقین کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین بجاہِ سید المرسلین ﷺ

از قلم: محمد کلام الدین نعمانی مصباحی امجدی
نائب ایڈیٹر: نیپال اردو ٹائمز
نائب صدر قاضی نیپال فاؤنڈیشن بنوٹا، مہوتری، نیپال
ناشر: اسیر حضور قاضی نیپال، محمد ارشاد عالم رقیبیسہرام، مہوتری، نیپال

گیارہویں شریف اور جدید دور کے اخلاقی تقاضے

محرر: محمد فداء المصطفیٰ قادری
رابطہ نمبر: ۹۰۳۷۰۹۹۷۳۱
پی جی ریسرچ اسکالر: دار الہدیٰ اسلامک یونیورسٹی، کیرلا، انڈیا

گیارہویں شریف حضرت غوثِ اعظم، شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یاد میں منعقد کی جانے والی ایک معروف مجلس ہے، جس میں اہلِ محبت و عقیدت آپ کی سیرت، تعلیمات، دینی خدمات اور اوصاف کا ذکر کرتے ہیں، قرآنِ کریم کی تلاوت، ذکر و درود، ایصالِ ثواب اور صدقہ و خیرات کا اہتمام کرتے ہیں۔

اہلِ سنت و جماعت کے حلقوں میں بزرگانِ دین کی یاد منانا، ان کی دینی خدمات کا تذکرہ کرنا اور ان کی زندگی سے نیکی، تقویٰ اور اخلاص کے اسباق حاصل کرنا ایک اہم دینی و روحانی روایت ہے۔ لیکن یہاں ایک بنیادی سوال ہمارے سامنے آتا ہے کہ کیا گیارہویں شریف صرف ایک رسم کا نام ہے یا یہ ہماری عملی زندگی کو بدلنے کا بھی ایک ذریعہ ہے؟

اگر ہم غور کریں تو بزرگانِ دین کی یاد منانے کا اصل مقصد یہی ہونا چاہیے کہ ہم ان کی زندگی کے روشن پہلوؤں کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ صرف ان کا نام لینا، ان کے فضائل بیان کرنا، نیاز و فاتحہ کا اہتمام کرنا اور محفل میں عقیدت کے جذبات کا اظہار کرنا کافی نہیں، بلکہ ان کی تعلیمات کو اپنی زندگی میں نافذ کرنا بھی ضروری ہے۔ اگر ہم غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یاد تو منائیں، لیکن نماز کی پابندی نہ کریں، سچ بولنے سے گریز کریں، معاملات میں خیانت کریں، جھوٹ، غیبت، چغلی اور بدگمانی میں مبتلا رہیں، والدین کے حقوق ادا نہ کریں، پڑوسیوں کو تکلیف پہنچائیں اور لوگوں کے ساتھ بد اخلاقی سے پیش آئیں، تو ہمیں اپنے طرزِ عمل پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے۔

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پوری زندگی تقویٰ، عبادت، علم، اخلاص، سچائی، مجاہدہ اور اصلاحِ امت سے عبارت تھی۔ آپ نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت، فرائض کی پابندی، حلال و حرام کی رعایت، سچائی، تقویٰ اور اچھے اخلاق کی تعلیم دی۔ اس لیے اگر ہم واقعی غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت کرتے ہیں تو ہمیں صرف ان کی یاد منانے پر اکتفا نہیں کرنا چاہیے بلکہ یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ ہماری زندگی میں ان کی تعلیمات کا کتنا حصہ موجود ہے۔

آج ہمارے معاشرے کا ایک بڑا المیہ یہ ہے کہ ہم دین کی ظاہری اور رسمی چیزوں میں تو بہت جوش دکھاتے ہیں، لیکن دین کے اخلاقی اور عملی تقاضوں سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ ہم گیارہویں شریف بڑے ذوق و شوق سے مناتے ہیں، لیکن نماز کے وقت ہماری مصروفیات ختم نہیں ہوتیں۔ ہم غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت کے واقعات شوق سے سنتے ہیں، لیکن اپنے کاروبار میں سچائی اختیار کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ ہم ان کی کرامتیں اور فضائل بیان کرتے ہیں، لیکن ان کی تقویٰ بھری زندگی سے سبق لینے کی کوشش نہیں کرتے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں ہمیں اپنے دینی شعور کا محاسبہ کرنے کی ضرورت ہے۔

گیارہویں شریف ہمیں سب سے پہلے نماز کا سبق دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نماز کو دین کا بنیادی فریضہ قرار دیا ہے۔ بزرگانِ دین کی زندگیوں میں عبادت اور فرائض کی پابندی کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ لہٰذا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یاد منانے والا مسلمان اگر نماز میں سستی کرتا ہے تو اسے اپنے آپ سے سوال کرنا چاہیے کہ میں جس بزرگ کی محبت کا دعویٰ کر رہا ہوں، کیا میں ان کی عبادت و تقویٰ کی روش اختیار کرنے کی بھی کوشش کر رہا ہوں؟ محفل میں غوثِ اعظم کا نام لینا آسان ہے، لیکن فجر کے وقت بستر چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا محبت کا عملی امتحان ہے۔

گیارہویں شریف ہمیں سچائی کا سبق بھی دیتی ہے۔ حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت میں صدق و حق گوئی کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ آج ہمارا معاشرہ جھوٹ کے مختلف انداز سے متاثر ہے۔ معمولی بات میں جھوٹ، کاروبار میں جھوٹ، وعدے میں جھوٹ، رشتوں میں جھوٹ، سوشل میڈیا پر جھوٹی خبریں، دوسروں کے بارے میں بغیر تحقیق کے باتیں پھیلانا اور اپنی غلطی چھپانے کے لیے جھوٹ بولنا عام ہوتا جا رہا ہے۔ اگر ہم غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یاد میں مجلس منعقد کرتے ہیں تو ہمیں یہ عہد بھی کرنا چاہیے کہ ہم اپنی زبان کو جھوٹ سے پاک رکھنے کی کوشش کریں گے۔

گیارہویں شریف ہمیں غیبت اور چغلی سے بچنے کا سبق بھی دیتی ہے۔ آج موبائل فون اور سوشل میڈیا نے انسان کی زبان کو ایک نئی طاقت دے دی ہے۔ پہلے ایک شخص کی بات چند لوگوں تک پہنچتی تھی، آج ایک پیغام چند سیکنڈ میں ہزاروں لوگوں تک پہنچ سکتا ہے۔ اس لیے آج زبان کی حفاظت کے ساتھ انگلیوں اور موبائل کی حفاظت بھی ضروری ہے۔ کسی کی غیر موجودگی میں اس کی برائی کرنا غیبت ہے، لوگوں کے درمیان فساد پیدا کرنے والی باتیں پہنچانا چغلی ہے، اور بغیر تحقیق کے کسی خبر کو آگے بڑھانا بھی ایک سنگین اخلاقی ذمہ داری ہے۔ قرآنِ کریم نے غیبت سے سختی سے منع کیا ہے۔ لہٰذا جو شخص بزرگانِ دین کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے، اسے اپنی زبان اور اپنے سوشل میڈیا دونوں کی حفاظت کرنی چاہیے۔

گیارہویں شریف ہمیں حسنِ اخلاق کا درس دیتی ہے۔ دین صرف عبادات کا مجموعہ نہیں بلکہ انسانوں کے ساتھ اچھا برتاؤ بھی دین کا اہم حصہ ہے۔ آج ایک شخص مسجد میں عبادت کرتا ہے، نوافل پڑھتا ہے، دینی محفلوں میں شریک ہوتا ہے، لیکن گھر میں بیوی، بچوں، والدین یا بہن بھائیوں کے ساتھ سخت لہجے میں بات کرتا ہے۔ کسی غریب کو حقیر سمجھتا ہے، کسی کمزور کا مذاق اڑاتا ہے، ملازم کے ساتھ بد سلوکی کرتا ہے اور پڑوسی کو تکلیف دیتا ہے۔ ہمیں یہ سمجھنا ہو گا کہ اللہ کے نیک بندوں کی محبت کا اثر ہمارے اخلاق میں بھی ظاہر ہونا چاہیے۔

والدین کے ساتھ حسنِ سلوک بھی اسی پیغام کا حصہ ہے۔ آج کا جدید دور سہولتوں کا دور ہے، مگر بعض اوقات انہی سہولتوں نے انسان کو اپنے والدین سے دور کر دیا ہے۔ موبائل ہاتھ میں ہے، دنیا بھر کے لوگوں سے رابطہ ہے، لیکن والدین کے پاس بیٹھنے کا وقت نہیں۔ سوشل میڈیا پر دوسروں کے لیے محبت بھرے الفاظ موجود ہیں، لیکن گھر میں والدین کے لیے سخت الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ ہمیں سوچنا چاہیے کہ بزرگانِ دین کی سیرت ہمیں کس قسم کا انسان بنانا چاہتی ہے۔

گیارہویں شریف ہمیں حلال روزی اور دیانت داری کا سبق بھی دیتی ہے۔ آج معاشی زندگی میں دھوکا، ملاوٹ، جھوٹے وعدے، ناپ تول میں کمی، ناجائز منافع، رشوت اور امانت میں خیانت جیسے مسائل موجود ہیں۔ کوئی شخص محفل میں نعت پڑھ سکتا ہے، نیاز تقسیم کر سکتا ہے اور بزرگانِ دین کا ذکر کر سکتا ہے، لیکن اگر اس کی کمائی حرام طریقے سے حاصل ہوتی ہے تو اسے اپنی زندگی کا سنجیدگی سے محاسبہ کرنا چاہیے۔ نیک لوگوں کی سیرت ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ عبادت کے ساتھ معاملات کی پاکیزگی بھی ضروری ہے۔

گیارہویں شریف ہمیں امانت اور وعدے کی پابندی کا سبق بھی دیتی ہے۔ آج وعدہ کرنا آسان اور وعدہ پورا کرنا مشکل ہوتا جا رہا ہے۔ کسی سے قرض لیا تو واپسی میں ٹال مٹول، کسی سے کام کا وعدہ کیا تو لاپروائی، کسی کی امانت لی تو اس کی حفاظت میں کوتاہی۔ حالانکہ مسلمان کی پہچان ہی امانت، دیانت اور وعدے کی پاسداری سے ہونی چاہیے۔

گیارہویں شریف ہمیں دوسروں کے حقوق کا احساس بھی دلاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق کے ساتھ بندوں کے حقوق بھی اہم ہیں۔ ہم اپنے لیے عزت چاہتے ہیں تو دوسروں کو بھی عزت دینی چاہیے۔ ہم چاہتے ہیں کہ لوگ ہماری غلطیوں کو معاف کریں تو ہمیں بھی دوسروں کی غلطیوں کو معاف کرنا سیکھنا چاہیے۔ ہم چاہتے ہیں کہ کوئی ہمارے عیب نہ اچھالے تو ہمیں بھی دوسروں کے عیب تلاش نہیں کرنے چاہئیں۔ یہی حقیقی اصلاح ہے۔

آج کے جدید دور میں ایک اور بڑا اخلاقی تقاضا سوشل میڈیا کا ذمہ دارانہ استعمال ہے۔ مسلمان کے لیے یہ کافی نہیں کہ وہ مسجد میں اپنی زبان کو قابو میں رکھے؛ اسے فیس بک، واٹس ایپ، انسٹاگرام اور دیگر ذرائع ابلاغ پر بھی اپنی زبان اور انگلیوں کو قابو میں رکھنا ہو گا۔ کسی کی تصویر کا مذاق بنانا، جھوٹی خبر پھیلانا، کسی کی عزت کو نقصان پہنچانا، بغیر تحقیق کے الزام لگانا، دوسروں کی نجی زندگی میں مداخلت کرنا اور نفرت انگیز گفتگو کو عام کرنا اسلامی اخلاق کے خلاف ہے۔ اگر غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعلیمات ہمیں اللہ کی طرف لے جاتی ہیں تو ہماری آن لائن زندگی بھی اسی اخلاق کی عکاسی کرنی چاہیے۔

تبدیل ہو جاتا ہے۔ مذہبی، سیاسی، سماجی اور فکری اختلافات میں لوگ ایک دوسرے کی عزت بھول جاتے ہیں۔ مسلمان کو اختلاف کرتے وقت بھی زبان کی حفاظت کرنی چاہیے۔ اپنے موقف کو دلیل کے ساتھ بیان کرنا چاہیے، لیکن دوسرے انسان کی عزت پامال نہیں کرنی چاہیے۔ بزرگانِ دین کی مجلسوں کا مقصد لوگوں کو جوڑنا اور اصلاح کرنا تھا، اس لیے ان کی یاد کے نام پر نفرت، گالی، تحقیر اور باہمی فساد کو فروغ دینا ان کی تعلیمات کے مقصد سے مطابقت نہیں رکھتا۔ ہمیں یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ گیارہویں شریف کا اصل فائدہ اسی وقت ہو گا جب یہ ہمارے اندر تبدیلی پیدا کرے گی۔ اگر گیارہویں شریف کے بعد ہماری نماز بہتر ہو جائے، قرآن سے تعلق مضبوط ہو جائے، زبان جھوٹ اور غیبت سے محفوظ ہو جائے، والدین کے ساتھ ہمارا رویہ بہتر ہو جائے، کاروبار میں دیانت آ جائے، پڑوسی ہمارے اخلاق سے محفوظ ہو جائے، غریبوں اور ضرورت مندوں کے لیے ہمارے دل میں رحم پیدا ہو جائے اور ہم اپنے گناہوں سے توبہ کرنے لگیں تو یہ یاد منانا ہمارے لیے حقیقی اصلاح کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

ہمیں بزرگوں کی محبت کو صرف جذبات تک محدود نہیں کرنا چاہیے۔ محبت کا ایک تقاضا اتباع بھی ہے۔ اگر ہم کسی بزرگ سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں تو ہمیں ان کی زندگی سے یہ پوچھنا چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیسے تعلق رکھتے تھے؟ نماز کے بارے میں ان کا کیا رویہ تھا؟ علم کے ساتھ ان کا تعلق کیسا تھا؟ لوگوں کے ساتھ ان کا برتاؤ کیسا تھا؟ سچائی، تقویٰ، صبر، تواضع، سخاوت اور خدمتِ خلق میں ان کا کیا مقام تھا؟ پھر ہمیں اپنی زندگی کو ان معیاروں پر پرکھنا چاہیے۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ گیارہویں شریف کو صرف ایک سالانہ تقریب کے طور پر نہ دیکھا جائے بلکہ اسے اپنے اخلاقی اور روحانی محاسبے کا موقع بنایا جائے۔ اس دن ہم صرف یہ نہ دیکھیں کہ کتنے لوگوں نے محفل میں شرکت کی، کتنی نیاز تقسیم ہوئی اور کتنے چراغ روشن ہوئے؛ بلکہ یہ بھی دیکھیں کہ ہماری زندگی میں کتنا نور پیدا ہوا۔ ہماری نمازوں میں کتنا اہتمام آیا، ہماری زبان کتنی پاک ہوئی، ہمارے معاملات کتنے درست ہوئے، ہمارے دل میں غریبوں کے لیے کتنی محبت پیدا ہوئی اور ہمارے کردار میں کتنی تبدیلی آئی۔

15
ہفت روزہ
نیپال اردو ٹائمز
Weekly The
NEPAL URDU TIMES
Reg.No: 5310 -2082/2083 - www.nepalurdutimes.com
خصوصی صفحہ
۲۴/ستمبر 2026 مطابق ۱۲/ربیع الثانی 1448ھ ۸/گتے اسوج 2083

غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کا علمی مقام

رضوان دانش مصباحی نظامی

* اسلامی تاریخ میں بعض ایسی عظیم المرتبت ہستیاں گزری ہیں جنھوں نے اپنے علم و فضل، تقوی و پرہیزگاری اور دعوت و اصلاح کے ذریعے عالم انسانیت پر گہرے نقوش چھوڑے۔ انھیں مقدس ہستیوں میں حضور غوث پاک شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالی عنہ کا نام نامی نہایت نمایاں ہے۔ آپ علم دین کے بحر بے کراں، شریعت و طریقت کے جامع اور امت مسلمہ کے عظیم رہنما تھے۔ آپ کی علمی بصیرت، دینی خدمات اور اصلاحی تعلیمات نے بے شمار دلوں کو نور علم و ہدایت سے منور کیا آپ کا علمی مقام صرف آپ کے دور تک محدود نہیں بلکہ آج بھی اہل علم و محبت کے لیے مشعل راہ ہے یہی وجہ ہے کہ تاریخ اسلام میں آپ کی علمی عظمت اور دینی خدمات ہمیشہ عقیدت و احترام کے ساتھ یاد کی جاتی رہیں گی۔*

* حضور غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کو بچپن سے ہی علم دین حاصل کرنے کا بڑا شوق تھا چنانچہ آپ اپنی والدہ سے اجازت لے کر بغداد شریف تحصیل علم دین کے لیے تشریف لے گئے اور بڑی محنت و لگن کے ساتھ حصولِ علم دین میں مشغول ہو گئے حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے علم دین حاصل کرنے کا انداز بڑا نرالا تھا۔*

* آپ خود فرماتے ہیں: میں اپنے طالب علمی کے زمانے میں اساتذہ سے سبق لے کر جنگل کی طرف نکل جایا کرتا تھا پھر بیابانوں اور ویرانوں میں دن ہو یا رات، آندھی ہو یا طوفان، گرمی ہو یا سردی، اپنا مطالعہ جاری رکھتا اس وقت میں اپنے سر پر ایک چھوٹا سا عمامہ باندھتا اور معمولی ترکاریاں کھا کر پیٹ کی آگ بجھایا کرتا۔ کبھی کبھی یہ ترکاریاں بھی ہاتھ نہ آتیں کیونکہ بھوک کے مارے دوسرے فقرا بھی ادھر کا رخ کر لیا کرتے تھے ایسے مواقع پر مجھے شرم آتی تھی کہ میں درویشوں کی حق تلفی کروں، مجبوراً وہاں سے چلا جاتا اور اپنا مطالعہ جاری رکھتا پھر نیند آتی تو خالی پیٹ ہی کنکریوں سے بھری زمین پر سو جاتا۔* *(قلائد الجواہر)*

* اتنی مشقتوں اور تکالیف کو برداشت کر کے آپ نے علم دین حاصل کیا اس کے باوجود کبھی بھی آپ کی زبان مبارک سے شکوہ شکایت کے الفاظ نہ نکلے۔*

* شیخ امام عبداللہ بن احمد قدامہ رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں: سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے علم کے حصول میں بڑی کوششیں کیں آپ نے بہت سے علمائے وقت اور مشائخ زمانہ سے علم حاصل کیا وقت کے مشائخ اور اولیا کی صحبت میں رہے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آپ اپنے زمانہ کے علما و مشائخ میں سب سے بڑے مرتبے پر فائز ہو گئے۔*
(نزھۃ الخاطر الفاتر)

* حضرت سیدنا شیخ محمد بن یحیی التادفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ جب آپ نے علم دین سے فراغت حاصل کر لی تو درس و تدریس کی مسند اور افتا کے منصب پر جلوہ افروز ہوئے۔ چنانچہ دنیا بھر کے علما صلحا علم سیکھنے کے لیے آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے، اس وقت بغداد میں آپ کے پائے کا کوئی نہ تھا، آپ علم کے سمندر تھے آپ کو علم تفسیر، فقہ، حدیث، نحو اور علم ادب پر کامل دسترس حاصل تھی، جب آپ کو آپ کے اساتذہ نے علم حدیث کی سند دی تو فرمانے لگے" اے عبدالقادر الفاظ حدیث کی سند تو ہم آپ کو دے رہے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ حدیث کے معانی و مفاہیم کو سمجھنا ہم نے آپ سے سیکھا ہے۔* *(قلائد الجواہر)*

امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: «غوث الاغیاث رضی اللہ تعالی عنہ یتکلم فی ثلاثۃ عشر علما»*

* حضور غوث پاک تیرہ علوم میں مباحث فرمایا کرتے تھے۔ (طبقات الکبریٰ)*

* شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالی علیہ آپ کے علمی کمالات کے متعلق ایک روایت نقل کرتے ہیں: کہ ایک روز کسی قاری نے آپ کی مجلس پاک میں قرآن مجید کی ایک آیت تلاوت کی تو آپ نے اس آیت کی تفسیر میں پہلے ایک معنی پھر دوسرے اس کے بعد تیسرے معنی یہاں تک کہ حاضرین کے علم کے مطابق آپ نے اس آیت کے گیارہ معانی بیان فرمائے۔ اس کے بعد دیگر وجوہات بیان فرمائیں۔ جس کی تعداد چالیس تھی اور ہر وجہ کی تائید میں دلائل قاطعہ بیان فرمائے۔ ہر معنی کے ساتھ سند بیان فرمائی آپ کے علمی دلائل کی تفصیل سے سب حاضرین متعجب ہوئے۔*
(اخبار الاخیار)

* آپ کے صاحبزادے سیدی عبد الوہاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ آپ نے ۵۲۸ ہجری سے ۵۶۱ ہجری تک ۳۳ سال درس و تدریس اور فتاوی نویسی کے فرائض انجام دیے۔*

* اس کے علاوہ آپ علم حدیث، فقہ، وعظ اور علوم حقائق میں ید طولی رکھتے تھے اس مختصر سے مضمون میں ہر ایک پر تفصیلی گفتگو نہیں کی جا سکتی۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ؛ درست العلم حتی صرت قطبا ونلت السعد من مولی الموالي؛ یعنی میں علم حاصل کرتا رہا یہاں تک کہ قطب کے منصب پر فائز ہو گیا اور میں نے اللہ رب العزت کے فضل سے سعادت اور نیک بختی حاصل کر لی۔*

* غوث پاک نے اپنی ساری زندگی علم دین کی ترویج و اشاعت میں بسر فرمائی، ہمیں بھی آپ کی سیرت پر چلتے ہوئے علم دین میں مشغول ہو جانا چاہیے۔*

رضوان دانش مصباحی، نظامی
منزل، قصبہ: منہد اول
ضلع: سنت کبیر نگر یوپی.*

احیائے اسلام و ایمان؛ غوثِ اعظم کی امتیازی شان

مفتی قاضی فضل رسول مصباحی
دارالعلوم اہل سنّت قادریہ سراج العلوم برگدہی
مہراج گنج یوپی

تاریخ کے کچھ ادوار ایسے ہوتے ہیں جب چراغ بہت ہوتے ہیں، مگر روشنی کم؛ کتابیں بہت ہوتی ہیں، مگر بصیرت نایاب؛ زبانیں ذکر سے آشنا ہوتی ہیں، مگر دل غفلت کے اسیر۔ ایسے ہی ادوار میں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ایسے مردانِ حق کو پیدا فرماتا ہے جن کی زندگی محض ایک فرد کی زندگی نہیں رہتی، بلکہ ایک عہد کی فکری بیداری، ایک نسل کی روحانی تربیت اور ایک معاشرے کی اصلاح کا استعارہ بن جاتی ہے۔

حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ گرامی اسی روشن سلسلۂ ہدایت کی ایک عظیم کڑی ہے۔ آپ کا تذکرہ صرف ایک بزرگ کی سوانح کا تذکرہ نہیں؛ یہ دراصل علم و عمل کے اتصال، شریعت و طریقت کی ہم آہنگی، تزکیۂ نفس، اصلاحِ معاشرہ اور احیائے ایمان کی ایک پوری روایت کا تذکرہ ہے۔ آپ کی نسبت سے وابستہ سب سے روشن حقیقت یہ ہے کہ آپ نے انسان کو دنیا کی ظاہری چمک سے نکال کر اس کے باطن کی تاریکی کی طرف متوجہ کیا اور پھر وہاں ایمان کا چراغ روشن کرنے کی دعوت دی۔

جب دین رسم نہیں، زندگی بن جائے:
قرآنِ کریم نے انسان کی تخلیق کا مقصد واضح کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ «میں نے جنات اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا۔"

یہ عبادت صرف چند مخصوص اعمال کا نام نہیں؛ اسلام نے عبادت کو زندگی کے ہر گوشے تک وسعت دی ہے۔ بندہ مسجد میں اللہ کا بندہ ہو اور بازار میں بھی؛ تنہائی میں بھی تقویٰ اختیار کرے اور مجمع میں بھی؛ زبان سے بھی سچا ہو اور معاملات میں بھی۔

یہی وہ مقام ہے جہاں حضرت غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی اصلاحی دعوت اپنی پوری معنویت کے ساتھ سامنے آتی ہے۔ آپ نے دین کو صرف محراب و منبر تک محدود نہیں رکھا، بلکہ اسے دل، کردار، معاملات اور معاشرت میں زندہ کرنے کی قولی و عملی دعوت دی۔ آپ کی تعلیم کا حاصل یہ تھا کہ مسلمان صرف اسلام کا نام لینے والا نہ ہو، بلکہ اس کے اخلاق میں اسلام دکھائی دے، اس کے معاملات میں اسلام بولے، اس کے دل میں ایمان کی روشنی ہو اور اس کی زندگی سنتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی خوشبو سے معطر ہو۔

احیائے ایمان: قرآن کا قرآنی تصور:
قرآنِ کریم ایمان کو محض ایک نظری دعویٰ قرار نہیں دیتا، بلکہ اسے زندگی کی عملی قوت بناتا ہے۔ ارشاد ہے: إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا "بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر اس پر ثابت قدم رہے..."

یہاں ایمان کے ساتھ استقامت کو جوڑا گیا ہے۔ گویا ایمان وہ نہیں جو صرف زبان پر ہو؛ ایمان وہ ہے جو زندگی کا رخ متعین کرے۔

حضرت غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی اصلاحی تعلیمات کا مرکزی محور بھی یہی تھا کہ ایمان کو زندگی میں اتارا جائے۔ دل میں خوفِ خدا ہو، اعمال میں اخلاص ہو، معاملات میں دیانت ہو، مصائب میں صبر ہو، نعمتوں میں شکر ہو اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ پر توکل ہو۔ یہی ایمان کا احیا ہے۔

علم: احیائے دین کی پہلی بنیاد:
غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کا مطالعہ کیا جائے تو ایک حقیقت نہایت نمایاں دکھائی دیتی ہے کہ آپ کی روحانی عظمت علمِ شریعت سے جدا نہیں۔ قرآنِ کریم نے فرمایا:
﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾
"اللہ کے بندوں میں سے وہی اس سے حقیقی خشیت رکھتے ہیں جو علم والے ہیں۔"

اسلام میں علم کا مقصد محض معلومات جمع کرنا نہیں؛ علم کا اصل ثمر خشیت، اصلاح اور عمل ہے۔ اسی لیے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا:
«مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ»
"اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔"

حضرت غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی علمی زندگی اسی نبوی اصول کی عملی تفسیر معلوم ہوتی ہے۔ آپ نے علم کو محض ذہن کی زینت نہیں بنایا، بلکہ اسے دل کی بیداری اور کردار کی تعمیر کا ذریعہ بنایا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی دعوت میں فقہ بھی ہے، اخلاق بھی؛ عقیدہ بھی ہے، تزکیہ بھی؛ عبادت بھی ہے، معاملات کی اصلاح بھی۔

دل کی اصلاح، معاشرے کی اصلاح:
رسول اللہ صلّی اللہ علیہ والہ وسلم نے انسانی اصلاح کا مرکز دل کو قرار دیتے ہوئے فرمایا:
أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً، إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ»
"خبردار! جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے؛ جب وہ درست ہو جائے تو پورا جسم درست ہو جاتا ہے، اور جب وہ خراب ہو جائے تو پورا جسم خراب ہو جاتا ہے؛ خبردار! وہ دل ہے۔"

یہ حدیث اسلامی اصلاح کا ایک جامع فلسفہ پیش کرتی ہے۔ معاشرے کی خرابی کا علاج صرف قوانین سے نہیں، دلوں کی اصلاح سے بھی ہوتا ہے۔ جھوٹا دل سچائی کا معاشرہ نہیں بنا سکتا، متکبر دل عدل قائم نہیں کر سکتا، حریص دل امانت کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ حضرت غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت اسی باطن کی دنیا کو مخاطب کرتی تھی۔ آپ نے انسان کو اس کے نفس کے فریب سے آگاہ کیا اور اسے توبہ، تقویٰ، اخلاص، صبر، شکر، قناعت اور توکل کی راہ دکھائی۔

شریعت اور طریقت: دو راستے نہیں:
اسلامی روحانیت کی سب سے بڑی خوب صورتی یہ ہے کہ اس کی بنیاد شریعت پر ہے۔ قرآنِ کریم فرماتا ہے: ﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ "فرما دیجیے: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت فرمائے گا۔"

محبتِ الٰہی کا قرآنی معیار اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ہے۔

یہی وجہ ہے کہ غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی روحانی تعلیمات کو شریعت سے جدا کر کے سمجھنا ان کی دعوت کی روح سے دور ہو جانا ہے۔ حقیقی تصوف وہ ہے جو نماز میں پابندی پیدا کرے، معاملات میں پاکیزگی لائے، اخلاق میں حسن پیدا کرے اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے محبت کو زندگی کا سرمایہ بنائے۔ شریعت جسم ہے تو روحانیت اس کی روح؛ دونوں میں جدائی ہو تو نہ جسم سلامت رہتا ہے نہ روح کی کیفیت باقی رہتی ہے۔

محبت کا سب سے خوب صورت ثبوت:
اولیائے کرام سے محبت ایمان افروز جذبہ ہے، لیکن محبت کی سب سے حسین زبان اتباع ہے۔
اگر غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے محبت ہے تو نماز میں اس کا اثر ہونا چاہیے؛
اگر محبت ہے تو معاملات میں دیانت ہونی چاہیے؛
اگر محبت ہے تو زبان غیبت سے محفوظ ہونی چاہیے؛
اگر محبت ہے تو دل حسد اور کینہ سے پاک ہونا چاہیے؛
اگر محبت ہے تو سنتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے وابستگی بڑھنی چاہیے۔ کیونکہ اولیائے کرام کی تعلیم انسان کو اپنی ذات کا اسیر بنانے کے لیے نہیں، اللہ تعالیٰ کا بندہ بنانے کے لیے ہوتی ہے۔

تتمہ: ایک چراغ جو آج بھی روشن ہے:
حضرت غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کو اگر صرف کرامات کے تذکرے تک محدود کر دیا جائے تو ہم ان کی شخصیت کے سب سے بڑے اصلاحی پہلو سے محروم ہو جائیں گے۔ ان کی اصل عظمت اس دعوت میں ہے جس نے علم کو عمل سے، شریعت کو طریقت سے، ظاہر کو باطن سے، اور ایمان کو کردار سے مربوط کیا۔ آپ کی زندگی ہمیں بتاتی ہے کہ امت کی حقیقی بیداری صرف بلند نعروں سے نہیں آتی؛ دلوں کی اصلاح، علم کی اشاعت، شریعت کی پابندی، سنت کی پیروی، اخلاق کی پاکیزگی اور ایمان کی حرارت سے آتی ہے۔

آج بھی اگر ہمارے گھروں میں قرآن کی تلاوت ہو مگر معاملات میں جھوٹ نہ ہو، ہماری زبان پر درود ہو مگر دل میں کینہ نہ ہو، ہماری پیشانی سجدے میں جھکے مگر کسی مظلوم کا حق نہ دبایا جائے، ہمارے ہاتھ میں تسبیح ہو مگر ہاتھ کسی کا حق نہ چھینے؛ تو سمجھنا چاہیے کہ ایمان محض لفظ نہیں رہا، زندگی بن گیا ہے۔

اور شاید یہی وہ مقام ہے جہاں غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی امتیازی شان اپنی پوری تابانی کے ساتھ سامنے آتی ہے:
انہوں نے صرف ایمان کی بات نہیں کی؛ ایمان کو زندہ کرنے کی قولی و عملی دعوت دی۔
صرف اسلام کا نام نہیں لیا؛ اسلام کو کردار میں اتارنے کا سبق دیا۔
صرف دلوں کو مسحور نہیں کیا؛ دلوں کو اللہ سے جوڑنے کی کوشش کی۔
اسی لیے تاریخ کے اوراق پر حضرت غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا نام محض ایک بزرگ کے نام کی حیثیت سے نہیں، بلکہ احیائے اسلام و ایمان، تزکیۂ نفوس اور اصلاحِ احوال کی ایک روشن علامت کے طور پر زندہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اولیائے کرام کی سچی محبت، قرآن و سنت کی صحیح پیروی، ایمان کی حقیقی حرارت اور عمل کی استقامت نصیب فرمائے۔ آمین۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ: حیات، دینی خدمات اور اصلاحی افکار

محمد علی شیر قادری نظامی
سکونت: روضہ شریف، مہوتری نیپال

اسلامی تاریخ کے صفحات میں بعض ایسی نابغۂ روزگار شخصیات گزری ہیں جن کی زندگی محض ایک فرد کی زندگی نہیں رہتی بلکہ ایک پورے عہد کی علمی، روحانی اور اخلاقی ترجمانی بن جاتی ہے۔ ان کے وجود سے علم کو سمت ملتی ہے، عبادت کو روح نصیب ہوتی ہے، اخلاق کو زندگی کا شعور ملتا ہے اور بھٹکے ہوئے دلوں کو اپنے رب کی طرف واپسی کا راستہ دکھائی دیتا ہے۔ پانچویں اور چھٹی صدی ہجری کے علمی و روحانی افق پر ایسی ہی ایک عظیم اور مؤثر شخصیت حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی ہے، جنہوں نے اپنی علمی بصیرت، روحانی تربیت، وعظ و ارشاد، زہد و تقویٰ اور اصلاحی جدوجہد کے ذریعے اپنے عہد کے انسانوں کو متاثر کیا اور بعد کی صدیوں میں بھی ان کا نام دینی و روحانی تاریخ کا ایک نمایاں عنوان بن گیا۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ۴۷۰ھ/۱۰۷۷-۷۸ء کے قریب جیلان کے علاقے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی زندگی کے بعد علم کی طلب انہیں بغداد لے آئی، جو اس زمانے میں اسلامی علوم و فنون کا ایک عظیم مرکز تھا۔ وہاں انہوں نے دینی علوم، خصوصاً فقہ اور حدیث وغیرہ کی تحصیل کی اور اہلِ علم کی صحبت سے استفادہ کیا۔ بغداد میں علمی تربیت کے ساتھ ساتھ ان کی زندگی میں عبادت، مجاہدۂ نفس اور روحانی ریاضت کا پہلو بھی نمایاں ہوا۔ بعد ازاں انہوں نے وعظ و ارشاد اور تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کی مجلسِ وعظ ایک ایسا مرکز بن گئی جہاں مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والے لوگ اصلاح اور رہنمائی کے لیے حاضر ہونے لگے۔ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کا امتیاز یہ تھا کہ ان کے ہاں علم اور روحانیت ایک دوسرے سے جدا نہیں تھے۔ وہ محض ظاہری احکام کی تعلیم دینے والے عالم نہ تھے اور نہ روحانیت کو شریعت سے الگ کوئی راستہ سمجھتے تھے۔ ان کی فکر میں شریعت، طریقت، علم، عمل، عبادت، اخلاق اور تزکیۂ نفس ایک ہی دینی زندگی کے مختلف پہلو تھے۔ ان کے نزدیک انسان کی حقیقی اصلاح اس وقت ممکن ہے جب اس کے عقائد درست ہوں، عبادات درست ہوں، معاملات پاکیزہ ہوں، اخلاق سنوریں اور دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو۔ ان کی دعوت کا ایک بنیادی محور تزکیۂ نفس تھا۔ وہ اس حقیقت کی طرف متوجہ کرتے تھے کہ انسان کی بہت سی کمزوریاں باہر سے نہیں بلکہ اس کے اپنے اندر سے جنم لیتی ہیں۔ تکبر، حسد، حرص، ریا، خود پسندی، غصہ، شہرت کی طلب اور دنیا کی محبت ایسی باطنی بیماریاں ہیں جو بظاہر نیک اور دیندار انسان کو بھی متاثر کر سکتی ہیں۔ اس لیے اصلاح کا آغاز انسان کو اپنے نفس کے محاسبے سے کرنا چاہیے۔ جب تک انسان اپنے اندر کی دنیا کو درست نہیں کرتا، اس وقت تک بیرونی اصلاح کی کوشش ادھوری رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ کی تعلیمات میں توبہ، اخلاص، صبر، شکر، توکل، قناعت، تقویٰ اور مجاہدۂ نفس کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی اصلاحی فکر میں اخلاص کو بنیادی مقام حاصل ہے۔ ان کے نزدیک بندے کے اعمال کی اصل روح اس کی نیت ہے۔ اگر عبادت اللہ کی رضا کے بجائے لوگوں کی نگاہ حاصل کرنے کے لیے ہو تو اس کی روح مجروح ہو جاتی ہے۔ اسی طرح علم اگر انسان کے اندر عاجزی، خشیت اور عمل پیدا نہ کرے تو وہ محض معلومات کا ذخیرہ بن کر رہ جاتا ہے۔ شیخ کی دعوت انسان کو اس مقام تک پہنچانے کی دعوت تھی جہاں وہ لوگوں کی تعریف اور مذمت سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی رضا کو اہم سمجھے، تنہائی اور اجتماع دونوں میں اپنے رب کو یاد رکھے اور اس کا ظاہر و باطن ایک دوسرے کے مطابق ہو جائے۔ ان کی تعلیمات میں زہد کا مفہوم بھی نہایت متوازن ہے۔ دنیا سے بے رغبتی کا مطلب یہ نہیں کہ انسان جائز اسباب کو چھوڑ دے، معاشرتی ذمہ داریوں سے فرار اختیار کرے یا حلال روزی سے کنارہ کش ہو جائے۔ اصل مقصد یہ ہے کہ دنیا انسان کے ہاتھ میں رہے، دل میں نہ اترے۔ مال و دولت اگر حلال طریقے سے حاصل ہو اور اللہ کی رضا کے لیے استعمال ہو تو وہ بذاتِ خود انسان کی روحانی ترقی کی راہ میں رکاوٹ نہیں۔ خرابی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب دنیا مقصدِ زندگی بن جائے اور انسان اپنے رب، آخرت اور اخلاقی ذمہ داریوں کو بھلا بیٹھے۔ اس اعتبار سے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی تعلیمات انسان کو دنیا چھوڑنے کے بجائے دنیا کی غلامی سے آزاد ہونے کا درس دیتی ہیں۔ توکل بھی ان کے اصلاحی افکار کا ایک اہم پہلو ہے۔ ان کے نزدیک مومن اسباب اختیار کرتا ہے، محنت کرتا ہے، ذمہ داری ادا کرتا ہے، مگر اپنے دل کا اعتماد اسباب کے بجائے اللہ تعالیٰ پر رکھتا ہے۔ یہی حقیقی توکل ہے۔ انسان کوشش کے میدان میں کمزوری نہ دکھائے، لیکن نتیجے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر مطمئن رہے۔ ایسا توکل انسان کو بے عملی نہیں سکھاتا بلکہ مشکلات کے مقابلے میں حوصلہ، صبر اور استقامت عطا کرتا ہے۔ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی مجالسِ وعظ کا ایک نمایاں پہلو یہ تھا کہ وہ انسان کو اپنے اندر جھانکنے پر مجبور کرتی تھیں۔ ان کی گفتگو کا مقصد محض الفاظ کی خوب صورتی یا علمی نکات کی کثرت نہیں تھا بلکہ دل کی بیداری تھا۔ وہ انسان کو اس کے رب سے تعلق یاد دلاتے، غفلت سے جگاتے، توبہ کی طرف بلاتے اور اسے اس بات کا احساس دلاتے کہ زندگی کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی بندگی ہے۔ ان کی دعوت میں خوف اور امید، احتساب اور رحمت، مجاہدہ اور توکل، عبادت اور اخلاق ایک دوسرے کے ساتھ مربوط نظر آتے ہیں۔ ان کے نزدیک دین صرف مسجد اور عبادت گاہ تک محدود نہیں تھا بلکہ انسانی زندگی کے ہر شعبے میں اس کی جھلک نظر آنی چاہیے۔ چنانچہ ایک شخص اگر نماز پڑھتا ہے تو اس کی نماز اس کے معاملات میں بھی ظاہر ہونی چاہیے؛ اگر وہ روزہ رکھتا ہے تو اس کے اخلاق میں تقویٰ پیدا ہونا چاہیے؛ اگر وہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تو اس کی زبان دوسروں کی عزت محفوظ رکھنے والی ہونی چاہیے؛ اگر وہ زہد کا دعویٰ کرتا ہے تو اسے حرص اور لالچ سے بھی بچنا چاہیے۔ اسی لیے شیخ کی اصلاحی تعلیمات میں حقوق العباد، حسنِ معاشرت، سچائی، امانت، سخاوت، تواضع، عفو و درگزر اور خیر خواہی کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں ان کی روحانی تعلیمات معاشرتی اصلاح سے جڑ جاتی ہیں۔ وہ فرد کو بدلنے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ معاشرہ افراد ہی سے تشکیل پاتا ہے۔ اگر فرد کے اندر خیانت ہے تو معاشرے میں بددیانتی پیدا ہوگی، اگر فرد تکبر میں مبتلا ہے تو تعلقات میں نفرت بڑھے گی، اگر فرد حرص کا شکار ہے تو اجتماعی زندگی میں ناانصافی جنم لے گی، اور اگر فرد کے اندر تقویٰ، دیانت، رحم اور احساسِ ذمہ داری پیدا ہو جائے تو یہی اوصاف معاشرے میں بھی منتقل ہوں گے۔ اس لیے شیخ کی دعوت کو محض انفرادی روحانیت تک محدود کرنا درست نہ ہوگا؛ اس میں معاشرتی اصلاح کا ایک گہرا تصور بھی موجود ہے۔ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی شخصیت کا اندازہ ان کی تصانیف سے بھی ہوتا ہے۔ ان سے متعدد کتابیں منسوب کی گئی ہیں، تاہم علمی تحقیق کے اعتبار سے تمام منسوب تصانیف کی نسبت یکساں درجے کی نہیں سمجھی جاتی۔ ان کی معروف کتابوں میں الغنیۃ لطالبی طریق الحق، فتوح الغیب اور الفتح الربانی والفیض الرحمانی شامل ہیں۔ ان کتابوں میں عقائد، عبادات، اخلاق، تزکیۂ نفس، توکل، توبہ، اخلاص اور روحانی تربیت جیسے موضوعات پر گفتگو ملتی ہے۔ ان تصانیف کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان کی فکر محض وجدانی کیفیات یا مجرد روحانی تجربات تک محدود نہیں بلکہ اسلامی عقیدہ، شریعت، عبادت، اخلاق اور تزکیۂ نفس کو ایک جامع نظام کے طور پر دیکھتی ہے۔ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں علم اور عمل کا تعلق نہایت بنیادی ہے۔ ان کے نزدیک علم اس وقت بامعنی بنتا ہے جب وہ انسان کے کردار کو تبدیل کرے۔ علم انسان کے اندر خشیت پیدا کرے، عبادت میں اخلاص پیدا کرے، معاملات میں دیانت پیدا کرے اور اسے اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہونے کا احساس عطا کرے۔ اسی طرح محض جذبات اور روحانی ذوق بھی کافی نہیں؛ انہیں صحیح علم اور شریعت کی رہنمائی کی ضرورت ہے۔ اس طرح علم اور عمل، ظاہر اور باطن، شریعت اور روحانیت ایک دوسرے کے معاون بن جاتے ہیں۔ ان کی زندگی میں وعظ و ارشاد کا جو باب کھلا، اس نے بغداد کی دینی و روحانی فضا پر گہرا اثر ڈالا۔ تاریخی روایات کے مطابق ان کی مجالس میں لوگوں کی بڑی تعداد شریک ہوتی تھی اور مختلف طبقات کے لوگ ان سے رہنمائی حاصل کرتے تھے۔ انہوں نے ایک ایسے ماحول میں دعوت کا فریضہ انجام دیا جہاں علمی اختلافات، اخلاقی کمزوریاں اور معاشرتی مسائل موجود تھے۔ ان کا طریقہ یہ تھا کہ انسان کو اس کے رب سے جوڑا جائے، اس کے اندر جواب دہی کا احساس پیدا کیا جائے اور اسے اپنے کردار کی اصلاح کی طرف متوجہ کیا جائے۔

ان کی شخصیت کے ساتھ بے شمار کرامات اور مناقب بھی منسوب کیے گئے ہیں اور مسلم معاشروں میں صدیوں سے ان کا ذکر عقیدت کے ساتھ ہوتا آیا ہے۔ تاہم تاریخی مطالعے کے لیے ضروری ہے کہ کرامات و مناقب کی روایات اور مستند تاریخی و تصنیفی مواد کے درمیان فرق ملحوظ رکھا جائے۔ شیخ کی شخصیت کی عظمت کو صرف کرامات کے بیان تک محدود کرنے کے بجائے ان کی علمی خدمات، وعظ و ارشاد، تصانیف، عبادت، زہد، تزکیۂ نفس اور اصلاحِ معاشرہ کی جدوجہد کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے۔ یہی وہ پہلو ہیں جو ان کی شخصیت کو ایک عالم، واعظ، مربی اور مصلح کی حیثیت سے سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی دینی فکر کا ایک نہایت اہم پہلو یہ ہے کہ وہ انسان کو دوسروں کی اصلاح سے پہلے اپنی اصلاح کی دعوت دیتی ہے۔ ہم اکثر معاشرے کی خرابیوں کا شکوہ کرتے ہیں، لیکن اپنے کردار، اپنی زبان، اپنے معاملات اور اپنے باطن کا محاسبہ کم کرتے ہیں۔ شیخ کی دعوت انسان کو اسی غفلت سے نکالتی ہے۔ وہ گویا انسان سے پوچھتی ہے کہ اگر تم معاشرے میں دیانت چاہتے ہو تو کیا تم خود دیانت دار ہو؟ اگر تم دوسروں میں اخلاص دیکھنا چاہتے ہو تو کیا تمہاری اپنی نیتیں پاک ہیں؟ اگر تم دوسروں سے حسنِ سلوک چاہتے ہو تو کیا تم اپنے گھر والوں، ماتحتوں اور کمزور لوگوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرتے ہو؟ اگر تم اللہ کی محبت کے دعوے دار ہو تو کیا تمہاری زندگی اس محبت کی گواہی دیتی ہے؟ یہ سوالات صدیوں پہلے بھی اہم تھے اور آج بھی اپنی پوری معنویت کے ساتھ ہمارے سامنے موجود ہیں۔ زمانہ بدل گیا، وسائل بدل گئے، معاشرتی صورتیں بدل گئیں، لیکن انسان کے دل کی بنیادی بیماریاں بڑی حد تک وہی ہیں۔ آج انسان کے پاس معلومات کے ذرائع پہلے سے کہیں زیادہ ہیں، مگر قلبی سکون کی تلاش بھی اتنی ہی شدید ہے۔ وسائل میں اضافہ ہوا ہے، مگر قناعت کم ہوتی جا رہی ہے۔ رابطے آسان ہوئے ہیں، مگر دلوں کے درمیان فاصلے بھی پیدا ہوئے ہیں۔ ایسے ماحول میں شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات انسان کو دوبارہ اپنے باطن کی طرف متوجہ کرتی ہیں اور یاد دلاتی ہیں کہ حقیقی ترقی صرف وسائل کی فراوانی کا نام نہیں بلکہ دل کی پاکیزگی، کردار کی مضبوطی اور اللہ تعالیٰ سے تعلق کی پختگی بھی زندگی کی کامیابی کا لازمی حصہ ہے۔